مسئلہ جہادِ کشمیر

اور اس کی مختصر تاریخ



امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ

گوالمنڈی ○ راولپنڈی

مسئلہ جہادِ کشمیر
اور
اس کی مختصر تاریخ

www.KitaboSunnat.com

از: امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم: حافظ عبد الرشید اظہر فاضل مدینہ یونیورسٹی

تنظیم الدعوۃ اِلی القرآن والسنۃ
گوالمنڈی ○ راولپنڈی

نام کتاب	:	مسئلہ جہاد کشمیر اور اسکی مختصر تاریخ
مؤلف	:	امیر المجاہدین ابو سلیمان فضل الٰہی وزیر آبادی
تقدیم	:	مولانا حافظ عبد الرشید اظہر فاضل مدینہ یونیورسٹی
ناشر	:	تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ گوالمنڈی، راولپنڈی
اہتمام	:	شیخ طاہر امین
مطبع	:	
اشاعت جدید	:	۱۴۱۸ھ ـ ۱۹۹۷ء
قیمت	:	**100/- روپے**
تعداد	:	1100
صفحات	:	256
کمپوزر	:	الممتاز کمپیوٹر آرٹ راولپنڈی، فون: 531159

ملنے کا پتہ

تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ

۴۶۳۹/۱ مسجد الرحمن اہل حدیث گوالمنڈی، راولپنڈی

فہرست

مقدمہ

حافظ عبدالرشید اظہر

جہاد کیا ہے؟

لفظِ جہاد جہد سے ماخوذ ہے، طاقت اور وسعت کو کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے۔

واقسموا باللہ جھد ایمانھم ....الایۃ (سورۃ المآئدہ..۵۳)

انہوں نے بڑی زوردار قسمیں اٹھائیں۔ چنانچہ جہاد کا لغوی معنیٰ ہوا "کسی پسندیدہ چیز کے حصول کے لیے یا ناپسندیدہ چیز سے بچاؤ کے لئے انسانی قوت و طاقت کے مطابق ہر ممکن کوشش کرنا" (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو لسان العرب اور قاموس وغیرہ) شریعت کی اصطلاح میں جہاد کا معنیٰ ہے "نصرت اسلام کے لئے رضاءِ الٰہی کی خاطر اپنی تمام تر کوشش صرف کرنا"۔

اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ ہی جہاد کہلاتا ہے، فی سبیل اللہ کی قید کے بغیر اگر قتال ہو تو اسے جہاد نہیں کہہ سکتے، جبکہ کفار کی جنگ فی سبیل الطاغوت ہوتی ہے۔ کتاب و سنت کی متعدد نصوص میں اسکی صراحت کر دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت (سورۃ النسآء....۷۶)

اہلِ ایمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔

"اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال" کو بھی شریعت اسلامی میں جہاد کہا گیا' حدیث میں ہے

سئل رسول الله ﷺ عن الرجل يقاتل شجاعة ويقاتل حمية ويقاتل رياء فاى ذلك فى سبيل الله؟ فقال رسول الله من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا فهو فى سبيل الله (اخرجه الخمسة)

رسول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اظہارِ شجاعت کی خاطر لڑتا ہے اور ایک حمیت کی خاطر اور ایک ریاء کے لئے لڑتا ہے۔ ان میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑے اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے۔

کلمۃ اللہ سے مراد دین اسلام ہے اور اعلاء کلمۃ اللہ سے مراد نفاذ اسلام ہے۔ بلا شبہ تطبیق شریعت اور نفاذِ اسلام یعنی تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی احکام و ضوابط کو بطورِ نظام اور قانون عملاً جاری و ساری کرنا اور ہر طرح انکی پابندی کرنا رضاءِ الٰہی کے حصول کا باعث ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی متعدد انواع و اقسام ہیں مثلاً

۱۔ **جہاد باللسان** : شریعت اسلامیہ کا بیان اسکی توضیح و تشریح اور تفہیم ' اسکے خلاف باطل دلائل کا توڑ جھوٹے پروپگنڈے اور غلط بیانات کا جواب اور پر زور مقابلہ جس سے قوتِ ایمانی مضبوط ہوتی ہے ' حق و صداقت پر غیر متزلزل یقین اور اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے ' میدان کارزار میں برسرِ پیکار جوانوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں حق و صداقت کی معرفت، اس پر

مکمل یقین ہی جہاد کا سب سے بڑا داعیہ اور سبب ہے اسی لئے ترغیب جہاد اور پست ہمتی کی حوصلہ شکنی سے پہلے ارشاد فرمایا:

یاایها الذین آمنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین (التوبة...۱۱۹)

"اے اھلِ ایمان اللہ سے ڈرو اور اہلِ صداقت کا ساتھ دو"

صداقت اور اہلِ صداقت کی معرفت کے بغیر انکی معیت اختیار کرنا ممکن نہیں اور یہ معرفت جہاد باللسان سے حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ **جہاد بالمال**: مال عموماً کارِ خیر میں خرچ کرنا اور خصوصاً مجاہدین فی سبیل اللہ اور غازیوں پر خرچ کرنا انکے لئے سامانِ جنگ از قسم سلاح و خوراک وغیرہ خریدنا انکی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر پیسہ لگانا' انکے اہل و عیال کی نگہداشت کرنا بصورت شہادت انکے پسماندگان پر صرف کرنا اس میں دو چیزیں ملحوظ خاطر رہنی ضروری ہیں ہمارے ماحول میں جن کا بالکل اہتمام نہیں ہے۔

ا۔ اخلاص نیت اور اپنی ضروریات سے پس انداز کرنا تاکہ طبیعت پر جبر ہو' اس کی اصلاح ہو اور جہاد کے معانی اور روح ظاہر ہوں۔ دیکھا دیکھی یا ریاکاری کے لئے یا کسی کے لحاظ میں مال صرف کرنے یا کسی فالتو مد میں سے تھوڑا بہت دے دینے سے جہد اور جہاد کے معنی کا ادراک نہیں ہو پاتا۔

ب۔ انفاق کے وقت دوسروں کا سہارا لینے کی بجائے بذاتِ خود وجوہِ خیر اور اصحابِ ضرورت کی تلاش، پھر بہتر سے بہتر کا اختیار و انتخاب کر کے بدست خود خرچ کرنا تاکہ کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور کم از کم لوگوں کو اطلاع ہو اور اپنی طبیعت مطمئن ہو اور مال کے ساتھ کسی حد تک جان بھی شریک ہو جائے دوسری

طرف کسی کو آپ کے مال سے کھیلنے کا موقع نہ ملے جس سے ماحول میں بہت سے فتنے جنم لیتے ہیں۔ طبیعت پر جبر اور جسمانی مشقت ہو گی تو انفاق فی سبیل اللہ میں جہاد کا معنی پیدا ہو گا۔

۳۔ **جہاد بالنفس** : اللہ رب العزت اور اسکے دین کے دشمنوں کے خلاف قتال کا نام ہے' اور لفظِ جہاد سے عموماً یہی مراد ہوتا ہے اور غالباً جہاد باللسان اور جہاد بالمال پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ یہی جہادِ اعظم اور جہاد اکبر ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا ذکر بھی ہوا ہے فرمایا :

یاایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ☆ تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ☆ یغفرلکم ذنوبکم ویدخلکم جنات تجری من تحتھا الانہار ومساکن طیبۃ فی جنات عدن ذلك الفوز العظیم ☆ و اُخری تحبونھا نصر من اللہ وفتح قریب و بشر المؤمنین ☆ (سورۃ الصف ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳)

"اے مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلائے اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو' اگر جان سکو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے' وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغہائے جنت میں جنکے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں اور پاکیزہ مکانات ہیں سدا بہار باغات میں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے' اور ایک اور چیز جسکو

تم بہت چاہتے ہو اللہ کی طرف سے مدد نصیب ہو گی اور عنقریب فتح ہو گی
مومنوں کو اس کی خوش خبری سنادو"

جہاد کا حکم ؟

جہاد فی سبیل اللہ قربِ الٰہی کا سب سے افضل ذریعہ ہے ' اطاعتِ ربانی کا سب سے شاندار مظہر ہے ' بلکہ فرض عبادات کے بعد تقرب الی اللہ اور اس میں سبقت لے جانے کے لئے سب سے بہتر وسیلہ ہے اسی لئے فرمایا :

یاایھاالذین آمنوااتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوافی سبیلہ لعلکم تفلحون (المائدۃ۔۳۵)

"اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اس کے رستے میں جہاد کرو تاکہ فلاح پاؤ"

جہاد اور مجاہدین کی فضیلت میں قرآن کریم کی بہت ساری آیاتِ مبارکہ اور نبی ﷺ کی متعدد احادیث شریفہ وارد ہیں۔ جو عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کا درس دیتی ہیں ' صالح انسان کے اندر مخفی دواعی کو جہاد کے لئے ابھارتی ہیں ' اور اعداء اللہ کے خلاف تیاری کی ترغیب دیتی ہیں جنکا اپنے مقام پر ذکر ہو گا انشاء اللہ

جہاد فرضِ کفایہ : جہاد بالنفس یعنی دشمنوں کے خلاف قتال ' عام حالات میں فروض کفایہ میں سے ہے یعنی کچھ لوگ جب تک ہمہ وقت جہاد کے لئے آمادہ اور تیار رہیں باقی لوگوں سے یہ فرض (قتال) ساقط ہو جاتا ہے۔

جہاد فرضِ عین : بعض حالات میں جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے ' پھر

کسی مسلمان کو بغیر کسی شرعی عذر کے پیچھے رہنا جائز نہیں ہوتا۔

۱۔ جب خلیفۃ المسلمین نفیر عام کا اعلان کردے یعنی حکماً کہہ دے کہ سب لوگ جہاد کے لئے نکلیں۔

۲۔ دشمن کسی مسلمان ملک کا محاصرہ کرلے۔

۳۔ جب آدمی معرکہ جہاد کی صفوں میں موجود ہو۔ فرمایا:

انفروا خفافا وثقالاً وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون (التوبہ۔۔٤١)

(گھروں سے) نکلو ہلکے ہو یا بوجھل (یعنی مال کم ہو یا زیادہ) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑو یہ تمہارے بھلے کی بات ہے، اگر تم جان سکو تو۔

جہاد کا مقصد

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ا: ہجوم Offensive ب: دفاع Defensive

دونوں کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ، دعوتِ دین اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہے صرف غیر مسلموں کو قتل کرنا جہاد کا مقصد ہرگز نہیں ہے۔ فرمایا:

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ (البقرۃ۔۔١٩٣)

ان (کفار) سے اس وقت تک لڑتے رہو حتی کہ فتنہ وفساد فرو ہو جائے اور دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ نیز فرمایا:

فإذا انسلخ الأشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فإن تابوا واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم إن اللہ غفور رحیم (التوبہ۔۔٥)

جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر انکی تاک میں بیٹھے رہو پھر اگر تو وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے لگیں تو انکی راہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان احکام کی دیگر آیات بھی کافی ہیں مقصد جہاد کے ضمن میں ہی نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دمائھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ عزوجل

"مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے خلاف جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ اس بات کا اقرار کر لیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں وہ نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے لگیں، جب وہ یہ عمل کریں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال، اسلام کے حق کے علاوہ محفوظ کر لیں گے، اور ان کا حساب اللہ پر ہے"

صحیح مسلم شریف میں روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من وحد اللہ وکفر بما یعبد من دون اللہ حرم مالہ ودمہ وحسابہ علی اللہ عزوجل

"جس نے اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کیا اور اللہ کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے"

ان آیات واحادیث میں کفار اور مشرکین کے خلاف انہیں دعوت اسلام دینے کے بعد جہاد و قتال کا حکم دیا گیا ہے اور اس بات پر اصرار کیا گیا ہے کہ اس وقت تک دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال جاری رہنا چاہیے جب تک کہ وہ ایک اللہ کی عبادت نہ کرنے لگ جائیں رسول اللہ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور شریعت اسلامیہ پر عمل نہ کرنے لگ جائیں انکے مال اور خون اس وقت تک محفوظ نہ ہوں گے جب تک ایمان نہ لے آئیں۔ جہاد طلب و ہجوم (Offensive) کا یہی مطلب و مقصد ہے۔

دفاعی جہاد : جہاں تک دفاعی جہاد (Defensive) کا تعلق ہے اس سے کوئی کافر و مشرک اس وقت تک مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ اسلام کی شرائط کے مطابق عملاً جزیہ ادا کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (التوبۃ۔ ۲۹)

"اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اسے حرام بھی نہیں مانتے اور دین حق کو بھی نہیں مانتے' ان سے لڑو تا آنکہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

کفار کی تین اقسام ہیں: یہودی ' عیسائی ' اور مجوسی ' ان سے جزیہ لینا نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے، سو ضروری ہے کہ ان سے قوت و طاقت کے مطابق

جہاد کیا جائے یہاں تک کہ یا تو اسلام میں داخل ہو جائیں یا ذلت برداشت کر کے جزیہ ادا کریں۔

ان کے علاوہ دیگر کفار و مشرکین کے خلاف (علی اصح الاقوال) تا قبول اسلام جہاد جاری رہے گا جیسا کہ عمل نبوی سے ثابت ہے۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں کتب حدیث و فقہ)

البتہ جہاد میں کفار کی عورتیں، بچے اور بوڑھے اور ان جیسے معذور لوگ جو لڑائی کے قابل نہیں ہوتے، اس وقت تک مستثنٰی ہیں جب تک وہ لڑائی میں حصہ نہ لیں لیکن اگر وہ لڑائی میں شریک ہوں اور اپنی عقل یا قوت وغیرہ سے کسی طرح بھی مددگار ثابت ہوں تو ان کے خلاف بھی جہاد لازم ہے جیسا کہ شرعی دلائل سے ثابت ہے۔

فضیلتِ جہاد قرآنِ حکیم سے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون

(البقرۃ ۔۔ ٢١٦)

"مسلمانو! تم پر اللہ کے رستے میں لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہیں ناگوار تو ہو گا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور ان باتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

نیز فرمایا:

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم (التوبۃ ۔۔۔ ۱۱۱)

"اللہ نے مومنوں سے انکی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں، اور اس کے عوض میں ان کے لئے بہشت تیار کی ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے"

دوسرے مقام پر فرمایا:

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنی وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیماً☆ درجات منہ ومغفرۃً ورحمۃ وکان اللہ غفورا رحیماً☆ (النساء ۹۵ ۹۶)

"جو مسلمان گھروں میں بیٹھ رہتے اور لڑنے سے جی چراتے ہیں، اور کوئی عذر نہیں رکھتے، وہ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں

پر درجے میں فضیلت بخشی ہے، اور نیک وعدہ سب سے ہے، لیکن اجرِ عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کہیں زیادہ فضیلت بخشی ہے (وہ لوگ) درجات میں ہونگے اور بخشش اور رحمت میں اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے"

فضیلتِ جہاد حدیثِ نبوی میں :

۱.....عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ تضمن اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرجہ الا جہادا فی سبیلی وایمانا بی وتصدیقا برسلی فہو علی ضامن ان ادخلہ الجنۃ او ارجعہ الی مسکنہ الذی خرج منہ، نائلا مانال من اجر او غنیمۃ، والذی نفس محمد بیدہ ما من کلم یکلم فی سبیل اللہ الا جاء یوم القیامۃ کھیئتہ حین کلم، لونہ لون دم وریحہ ریح مسک، والذی نفس محمد بیدہ لولا ان یشق علی المسلمین ماقعدت خلاف سریۃ تغزو فی سبیل اللہ ابداً ولکن لا اجد سعۃ فاحملھم ولا یجدون سعۃ ویشق علیھم ان یتخلفوا عنی، والذی نفس محمد بیدہ لوددت ان اغزو فی سبیل اللہ فاقتل ثم اغزو فاقتل ثم اغزو فاقتل (رواہ البخاری ومسلم)

"حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی اس شخص کو ضمانت دیتا ہے جو اس کے راستے میں نکلے۔ ایسا شخص جو مجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور میرے رسول کی تصدیق کرتے ہوئے صرف میرے راستے میں جہاد کے لئے نکلتا ہے، مجھ پر اسکی ضمانت ہے کہ اسے جنت میں داخل

کروں یا اسے وہیں پہنچاؤں جہاں سے وہ چلا تھا اجر و غنیمت حاصل کر کے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کوئی زخم بھی جو فی سبیل اللہ ہوتا ہے قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گا، رنگ خون کا اور خوشبو کستوری کی ہوگی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر مسلمانوں کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں کسی بھی فی سبیل اللہ نکلنے والے لشکر سے پیچھے نہ رہتا لیکن میں سب کو سواریاں مہیا کرنے کی گنجائش نہیں پاتا اور خود لوگوں کے پاس بھی گنجائش نہیں ہے اور یہ بات ان پر گراں گزرتی ہے کہ میں جہاد میں جاؤں اور وہ پیچھے رہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں لڑوں اور قتل ہو جاؤں پھر لڑوں اور قتل ہو جاؤں پھر لڑوں اور قتل ہو جاؤں (بخاری و مسلم)

۲.....عن ابی بکر بن عبداللہ بن قیس عن ابیه قال سمعت ابی و هو بحضرة العدو یقول! قال رسول الله ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف (رواہ مسلم)

"نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں"

۳.....عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ رباط یوم فی سبیل الله خیر من الدنیا و مافیها و موضع سوط احدکم من الجنة خیر من الدنیا و مافیها و الروحة یروحها العبد فی سبیل الله او الغدوة خیر من الدنیا و مافیها (البخاری و مسلم)

"حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں

(سرحدوں کی) ایک دن کی نگرانی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ اللہ کی راہ میں ایک شام یا ایک صبح کا سفر دنیا وما فیھا سے بہتر ہے۔

٤..... عن ابی عیسیٰ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اغبرت قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسه النار (البخاری)

"حضرت ابو عیسیٰ انصاری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہوئے اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی" (بخاری شریف)

٥..... عن سہل بن حنیفؓ ان النبی ﷺ قال من سال اللہ الشہادۃ بصدق بلغه اللہ منازل الشہداء وان مات علی فراشه (رواہ مسلم)

"حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے بے شک نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ سے صدق دل کے ساتھ شہادت مانگی اللہ اسے شہداء کی منزلوں سے سرفراز فرمائے گا خواہ اپنے بستر پر ہی موت سے ہم کنار ہو"

٦..... عن انس عن النبی ﷺ قال ما من احد یدخل الجنة یحب ان یرجع الی الدنیا وان له ما علی الارض من شیءٍ غیر الشہید فانه یتمنی ان یرجع فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامة

(رواہ البخاری ومسلم)

"کوئی شخص بھی جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں واپس لوٹنا پسند نہیں کرے گا خواہ دنیا کی ہر شے اسی کے لیے ہو، سوائے شہید کے، پس بے شک شہید

کی تمنا ہو گی کہ وہ دنیا میں لوٹ کر آئے پھر دس مرتبہ (فی سبیل اللہ) قتل کیا جائے وہ جو اپنی عزت دیکھے گا اس لیے ایسا چاہے گا"

۷۔۔۔۔عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یغفر للشہید کل ذنب الا الدین (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے لیے ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے سوائے قرض کے"

یہ چند احادیث شریفہ ہیں ایسی ہی اور متعدد روایات ہیں، جن سے جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں ملنے والے اجر و ثواب کا اندازہ ہوتا ہے بشرطیکہ جہاد حقیقتاً لوجہ اللہ ہو اور لمحہ لمحہ اخلاص اور حسن نیت کا اہتمام رہے۔

جہاد کی تیاری :

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں واضح کی گئی جہاد کی اسی حیثیت، اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر اس کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے فرمایا۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم و آخرین من دونھم لا تعلمونھم، اللہ یعلمھم، وما تنفقوا من شئی فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون (الانفال۔۔۔ ٦٠)

"اور جہاں تک ہو سکے زور سے، اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے (کفار کے خلاف) مستعد رہو اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو گے اور ان کے علاوہ ان لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ' اللہ جانتا ہے ' اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیدیا جائے گا اور تم پر ذرہ

بھر ظلم نہیں کیا جائے گا"

نیز فرمایا:

یاایھاالذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا

(النساء...۷۱)

"مومنو! (جہاد کے لیے) ہتھیار لے لیا کرو پھر یا تو جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو"

معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مدد و معاون اور باعثِ قوت و طاقت ہو سکتا ہے اس کا اہتمام جہاد کی تیاری ہے۔ اور جہاد کے لیے تیاری بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ لہذا اس کا اہتمام جہاد ہی کی طرح ضروری ہو گا۔ وقت بدلنے کے ساتھ جہاد کی تیاری کے طریقے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ جدید ترین اسلحہ کی واقفیت اور تربیت جنگی چالوں کا علم اور عملی جنگ سے پہلے دور حاضر میں فکری جنگ کے داؤ پیچ کا علم بھی "الحرب خدعۃ" (متفق علیہ) کے تحت آتا ہے۔ اس کا خیال رکھنا بھی جہاد کی تیاری کا حصہ ہے۔ صرف لڑائی اور اسلحہ کی واقفیت مکمل جہاد نہیں کہلا سکتی۔ دور حاضر میں جنگی سائنس سے عدم واقفیت کی بنا پر عموماً اپنے تھوڑے سے کام کی بہت زیادہ تشہیر کر کے دشمن کو چوکنا کر دیا جاتا ہے۔ اپنے پچھلے تو خوش ہو جاتے ہیں مگر دشمن کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ رازداری قائم رکھ کر جنگ کی تیاری بلا شبہ جہاد کا حصہ ہے۔ حضرت عمر کا معروف فرمان ہے:

علموا اولادکم الرمی والفروسیة

"اپنی اولاد کو تیر اندازی اور گھڑ سواری سکھاؤ"

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ : من تعلم الرمی ثم نسیہ فلیس منا

"جس نے تیر اندازی سیکھ کر بھلادی وہ ہم میں سے نہیں ہے"

ترک جہاد پر وعید

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو بحیثیت باوقار قوم کے زندہ رہنا ہو تو اس کے لیے جہاد ضروری ہے۔ جس قوم کے پاس اسلحہ کے ڈھیر ہوں، جنگی ماہرین ہوں، قومی و ملی غیرت اور شعور ہو، دنیا کی کوئی قوم اس کی طرف میلی آنکھ کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔ ویسے بھی کسی مسلمان کے پاس اس کی صداقتِ ایمانی کی سب سے شاندار اور قطعی دلیل جذبہ جہاد ہی ہے اور یہ کہ اپنی ذاتی خواہشات و ضروریات کو اللہ کی رضا کے حصول پر کس قدر قربان کر سکتا ہے۔

اب تو مسلم قوم کی بدنصیبی کی انتہا ہے کہ ان کے بہت سے لوگوں نے جہاد کو بھی اپنی ذاتی خواہشات اور ضروریات کی تکمیل کا زینہ وسیلہ بنالیا ہے۔ دنیا بھر میں بپا آزادی کی ہر تحریک میں ایسے ہی عناصر زیادہ تر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہیں۔

الا من رحم اللہ انہ ھو العزیز الرحیم۔

ہمارے پڑوس میں افغانستان اور فلسطین میں قائدین جہاد اسلامی نے مسلم نوجوانوں کے جذبات سے کھیل کر آخر میں آزادی کی تحریکوں کا جو حشر کیا اور شہداء کی مقدس نعشوں پر جس طرح اپنی انانیت اور جاہ پسندی اور اقتدار پرستی کے محل تعمیر کیے ہیں اس پر ہر باشعور اور غیور آنکھ خون کے آنسو روتی ہے۔ آج نہیں تو کل انہیں خونِ شہیداں کے ایک ایک قطرے اور ان پر اٹھنے والے اخراجات کے ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہو گا۔ اور کاروبارِ جہاد کے ان عالمی

تاجروں لور لٹیروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یوم الحساب قریب ہے۔

من نوقش فی الحساب هلك

باوجود اس کے مسلم قوم میں مخلص مجاہدین کی کمی نہیں اور نہ کبھی ہو گی انشاء اللہ۔ اس میدان میں صورت حال جیسی بھی ہو جہاد کی تیاری کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا ہم نے پہلے بھی نشاندہی کی ہے کہ اہل حق و صداقت کی تلاش اور ان کی معیت اختیار کرنا عین تقوی ہے۔ لہذا جہاد کی تیاری سے صرف نظر کی گنجائش نہیں۔ ملاحظہ ہوں اس موضوع پر چند آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ۔ فرمایا:

اجعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن أمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله، لا يستوون عندالله (التوبه... ۱۹)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (بیت اللہ) کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کر لیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے۔

نیز فرمایا:

یایها الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة فما متاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل (التوبه... ۳۸)

"اے مومنو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر گرے جاتے ہو کیا تم آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم

ہیں۔ فرمایا:

الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علی کل شیء قدیر (التوبہ...۳۹)

"اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"

فرمایا:

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا أخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا (النساء...۷۵)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا"

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من مات ولم یغزو لم یحدث نفسہ بالغزومات علی شعبۃ من النفاق (رواہ مسلم)

"حضرت ابو ھریرہؓ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مر گیا اس حالت میں کہ نہ اس نے جہاد میں عملاً حصہ لیا اور نہ ہی اس نے اس کے متعلق سوچا تو وہ نفاق کے ایک حصہ پر مرا"

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جہاد باعثِ عزت ووقار ہے ویسے ہی اس کا ترک کرنا باعث ذلت ورسوائی ہے۔ اور تاریخی وقائع اس کے شواہد ہیں

سو اگر مسلم اقوام عزت سے جینا چاہتی ہیں تو انہیں جہاد کی اہمیت کو سمجھ کر اس کے لیے تیاری کرنا ہو گی۔ اور عملاً اس کا اہتمام کرنا ہو گا۔

کچھ جماعتِ مجاہدین کے بارے میں

خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمہ کے بعد اس کے دوبارہ قیام اور احیاءِ اسلام کے لیے مجددینِ اسلام کے ہاتھوں متعدد اسلامی تحریکیں برپا ہوئیں۔ بالخصوص یورپی، فرانسیسی اور اطالوی استعمار کے زمانے میں مسلمانوں پر جب ظلم ڈھائے گئے، ان کے دین اور اس کے شعائر کی شکل بگاڑنے کی ناپاک کوششیں ہوئیں تو ذی شعور مسلم قائدین نے حفظِ دین کے لیے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے، ان میں سب سے زیادہ قابل قدر اور کامیاب تحریک جزیرہ عرب میں شیخ الاسلام مجددِ دین امام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کی اور برصغیر ہند میں امام المجاہدین، رافع لواء التوحید امام اسماعیل الشہید رحمہ اللہ کی تھی، ان دونوں کے مابین زمانی قرب بھی ہے اور فکری اتحاد بھی، نظریاتی ہم آہنگی بھی ہے اور عملی جدوجہد میں مماثلت بھی۔ حتیٰ کہ مخالفین دونوں کو ہی وہابی تحریک کا نام دیتے ہیں۔ توحید اور اہل توحید کا یہی شیوہ اور وطیرہ ہے، کہ ان میں عقیدے کا اشتراک حیرت انگیز حد تک ہوتا ہے، انسانی ہدایت کے لیے یہی معجزہ کیا کم ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل ہزاروں سال پر محیط عرصہ میں دنیا میں تشریف لائے، بغیر کسی ظاہری باہمی رابطے کے سب نے دنیا کے سامنے ایک ہی دعوت پیش کی کسی کا عقیدہ دوسرے سے مختلف نہیں پایا گیا، اسی لیے قرآن حکیم نے ان کے

پیروکاروں کے حق وصداقت پر ہونے کا معیار بھی یہی قرار دیا ہے کہ جو سب کی تصدیق کرتا ہے وہی کسی ایک کا بھی متبع ہے جو کسی ایک کی تکذیب کا ارتکاب کرتا ہے وہ سب کا منکر شمار ہوتا ہے۔

امت محمدیہ کو یہ امتیاز واختصاص حاصل ہے کہ وہ سب کی تصدیق کرتی ہے۔ جبکہ یہود و نصاری باوجود عصر نبوی پانے کے سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین کی تصدیق کی سعادت سے محروم ہیں۔

برصغیر کی وہابی تحریک جو خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کی خواہاں اور اس کے لیے کوشاں تھی، اور کسی حد تک اس کا عملی نمونہ پیش کرنے میں کامیاب بھی ہوسکی، اس کے جملہ عمائدین، قائدین، سپاہ اور سپہ سالار، سلفِ امت کے علمی و عملی نمونے تھے۔ ان کی زندگیاں شک و شبہ سے بالا، ان کی جدو جہد ریاء و نمود سے دور اور وہ سب کے سب ذاتی مفادات سے نفور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ اہل حدیث کو ان سے ارادت و عقیدت تھی اور اس کا تعاون ان کو حاصل تھا۔

تمام مدارس و علمی حلقے ان کے خفیہ مراکز تھے سربرآوردہ علمی شخصیات ان کی پشت پناہی کرتی تھیں ان کو مالی وافرادی قوت فراہم کرتی تھیں، تحریک کے ذمہ داران بھی اپنے دور کے بڑے علماء تھے۔ یہی سبب ہے کہ اس دور میں کسی بھی زاویے سے علم و جہاد متضاد میدان نظر نہیں آتے اور نہ ہیں۔

تحریک کا منہج و نظام انتا دقیق، دانشمندانہ اور جنگی اصولوں کے مطابق خفیہ اور محفوظ تھا کہ انگریز جیسا شاطر اور زیرک دشمن بھی جگہ جگہ ان کے خلاف

ثبوت فراہم نہ ہونے کا اعتراف کرتا دکھائی دیتا ہے۔

کسی ظالم ترین بدیسی حکومت کی موجودگی میں تمام لوازم سمیت نظامِ خلافت قائم کر لینا اور پھر اس کی کسی کو اطلاع نہ ہونے دینا ستے ہوئے جسم والے نحیف و نزار اور پتلے دبلے، شاہ دماغ شاہ اسماعیل شہید کے حسن تدبر کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔ اللهم اغفرله وارحمه۔

ظاہری وسائل و اسباب کی عدم موجودگی کے باوجود تقریباً پونے دو سو برس تک مسلسل کسی نہ کسی رنگ میں تحریک کا زندہ اور برسر عمل رہنا بھی بجائے خود قائدین کے اخلاص و دانش کی واضح دلیل ہے۔ اور اس کی مثال شاید کسی اور تحریک میں نہ مل سکے۔

ذیل میں ہم تحریک کے بانی اور قائدین کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں:

مؤسسِ جماعتِ مجاہدین و امیر اول سید احمد شہید۔

(۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء تا ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء)

سید مرحوم ۶ صفر ۱۲۰۱ھ موافق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی مردانہ کھیلوں، عسکری ورزشوں اور خدمت خلق سے خصوصی دلچسپی تھی۔ عبادت کا شوقِ فراواں تھا۔ تلاوت قرآن کریم اور اس کے معانی میں غور و فکر اور دعا میں اکثر مشغول رہتے تقریباً بیس برس کی عمر میں دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ہاں شاگردی اختیار کی۔ شاہ صاحب سے تربیت حاصل کر کے ۱۲۲۳ھ میں واپس رائے بریلی لوٹے۔ ۱۲۲۶ھ میں دوبارہ دہلی تشریف لا کر ۱۲۲۷ھ میں جہاد کی تیاری کے لیے نواب امیر خان کے لشکر میں

شریک ہوئے اور عسکری تربیت حاصل کی۔ ٦ برس تک اس لشکر میں شریک رہے تربیت کے ساتھ ساتھ وعظ وارشاد اور تبلیغ و تلقین کی طرف بھی متوجہ رہے۔ ۱۲۳۱ھ میں جب نواب امیر خان نے انگریزوں سے صلح کر لی تو سید صاحب نے نواب کے لشکر کو خیر باد کہہ دیا، اور تیسری دفعہ اپنے عظیم مقصد جہاد کی منصوبہ بندی اور تیاری کے لیے دہلی تشریف لے گئے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ہی آپ کے قیام کا انتظام مسجد اکبری میں کیا، یہیں آپ نے اپنے خاص نہج پر تربیت کا آغاز کیا۔ خوش قسمتی سے خاندان ولی اللہ۔ جو ہندوستان میں علمی و عملی اعتبار سے محترم ترین خانوادہ تھا۔ کے دو عظیم سپوت مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی اور شاہ اسماعیل آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور بیعت جہاد کر لی جس سے آپ کا چرچا بہت زیادہ ہو گیا پھر آپ نے بیرون دہلی متعدد شہروں اور قصبوں کا دورہ کیا دونوں شہزادے ہمراہ تھے اتباع سنت اور ردِ شرک و بدعت کے لیے وعظ کیے جس سے لوگوں میں اسلام کے لیے محبت پیدا ہوئی، پھر شاہ عبدالعزیز سے اجازت لے کر سید صاحب اپنے وطن رائے بریلی لوٹے اور لکھنو کا سفر کیا اس سفر میں وعظ وارشاد اور ترغیب جہاد ہی مرکزی موضوعات رہے۔

پھر سفر حج کی تیاری کی اور ۲۹ شعبان ۱۲۳۷ھ کو مکہ مکرمہ حاضری دی اگلے سال یکم ذیقعد ۱۲۳۸ھ کو واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا اور براستہ بمبئی وطن واپس پہنچے۔

ہجرت و جہاد

سید صاحب نے عزم جہاد کیا اور اپنے مخلص اور تربیت یافتہ رفقاء کے ہمراہ اپنے

وطن سے ہجرت کی اور یہ صبر و ضبط اور جفاکشی کا پیکر عالی ہمت قافلہ سندھ، بلوچستان، سرحد کے ریگستانوں، میدانوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور دریاؤں کا انتہائی دشوار گزار راستہ طے کر کے اپنے منصوبہ کے مطابق بالاکوٹ پہنچا۔

پہلے کچھ دن پشاور میں قیام کیا اردگرد کے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی اور پھر نوشہرہ تشریف لائے۔ وہیں سے اس قافلہِ شوق نے اپنے مقصد عظیم اور عبادت عظمیٰ جہاد کا عملی آغاز کیا اور سب سے پہلے لاہور کی سکھا شاہی حکومت کو اعلامیہ ارسال کیا، جو نبوی طریق کے عین مطابق دعوت دینِ اسلام اور اعلانِ جہاد پر مشتمل تھا۔ ملاحظہ ہو:

سکھا شاہی حکومت کے نام دعوتِ اسلام اور اعلانِ جنگ

۱۔ یا تو اسلام قبول کر لو (اس وقت ہمارے بھائی اور مساوی بن جاؤ گے) لیکن اس میں کوئی جبر نہیں۔

۲۔ یا ہماری اطاعت قبول کر کے جزیہ دینا قبول کر لو اس وقت ہم اپنے جان ومال کی طرح تمہارے جان ومال کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی منظور نہیں تو لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، مگر یاد رکھو کہ سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے۔ اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی، جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔ (سید احمد شہید جلد ا ص ۲۹۷)۔

اس کے بعد یہ قافلہ اپنے سالار کی قیادت میں تقریباً ۴ برس تک مصروف جہاد رہا اور اپنے پیچھے انمٹ نقوش چھوڑ کر، تاریخ کو نئی جہت دے کر،

فی سبیل اللہ قربانی دینے کا سلیقہ سکھا کر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء کو سینے میں گولیاں کھا کر بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کر گیا۔ رحمہم اللہ

شاہ اسماعیل شہیدؒ

(۱۱۹۳ھ، ۱۷۷۸ء تا ۱۲۴۶ھ، ۱۸۳۱ء)

شاہ صاحب نے سید احمد کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعتِ جہاد کی۔ مرحوم شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے، شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالغنی کے فرزند ارجمند تھے۔

تحریک مجاہدین میں شاہ اسماعیل کی قربانیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تحریک کے روح رواں، اس کے لیے منصوبہ بندی کرنے والے، اغراض و مقاصد متعین کر کے، پھر اسکے حصول کے لیے عملی تدبیر کرنے والے شاہ شہید ہی تھے۔ تحریک کی حمایت اور اس کی مدافعت میں جیسے وہ قلم کے مردِ میدان تھے ویسے ہی میدان جنگ میں تلوار کے دھنی بھی تھے۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو "پھلت" ضلع مظفر نگر میں اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے، چھ سال کی عمر میں مکتب نشین ہوئے، آٹھ برس کی عمر میں حفظ القرآن سے فراغت پائی اور ۱۱ برس کے تھے کہ عربی اور مروجہ علوم میں دسترس حاصل کر لی۔ شاہ صاحب بڑے شاہ دماغ تھے، علم و فضل کے میدان میں بڑا نام پایا، اور نہایت قابل قدر کتب تالیف کیں۔ ان کا موضوع عموماً توحید خالص، ردِ شرک و بدعت ہے۔ اس باب میں انہوں نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ وعظ و ارشاد کے ذریعہ بھی بڑا کام کیا۔ جس کی نظیر قرونِ اخیرہ میں اور

کہیں نہیں ملتی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا خاندان بر صغیر کے مسلمانوں کا استاذ ہے ،کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت میں اس خاندان کی خدمات پر ہزارہا صفحات قلمبند ہو چکے ہیں۔ اپنے پرائے سبھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مرحوم شاہ اسماعیل شہید اپنی خاندانی روایات کے بتمام و کمال امین تھے، کتاب و سنت کے حافظ و عالم ، معقولات و منقولات کے امام ،زاہد و عابد ، عالی ہمت ، جری و شجاع ، حسن عمل کے پیکر، غیرت حق کے مظہر اور دلوں کی کایا پلٹ دینے والے حق گو خطیب تھے۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے اس لحاظ سے امتیازی حیثیت کے حامل تھے کہ ان حضرات کی مساعی خانقاہ و مدرسہ میں تعلیم و تدریس تک محدود تھی مگر شاہ صاحب نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے لے کر جہاد بالنفس اور قتال بالسیف تک اشاعتِ توحید و سنت کا ہر ذریعہ اختیار کیا۔ اللہ تعالی نے ان کے کمزور سے قالب میں ایسی توانا اور شجاع روح ودیعت کی تھی کہ لوگ ان کے نام سے بھی ہیبت محسوس کرتے تھے۔

بالآخر ۶ مئی ۱۸۳۱ء، ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ کو پیشانی پر گولی کھا کر کھلے میدان میں گرے اور جانِ عزیز جان آفرین کے سپرد کی۔ اوراس کے ساتھ ہی جماعتِ مجاہدین کا پہلا دور ختم ہوا۔

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر..... الآية:(الاحزاب... ٢٣)

دیگر امراء جماعتِ مجاہدین

اس کے بعد درج ذیل اصحابِ علم و فضل اور زہد و تقویٰ نے اپنے اپنے دور میں جماعت کی قیادت کی اور امارت کے فرائض سر انجام دیے۔

۲۔ مولانا ولی محمد پھلتی شہید ۱۸۳۱ء تا ۱۸۴۰ء

۳۔ مولانا سید نصیر الدین دہلوی۔۔ فروری ۱۸۴۰ء تا ستمبر ۱۸۴۰ء

۴۔ مولانا سید عبدالرحیم شہید۔۔ ستمبر ۱۸۴۰ء تا جون ۱۸۴۰ء

۵۔ مولانا عنایت علی صادق پوری۔۔ ۱۸۴۱ء تا ۱۸۴۶ء

۶۔ مولانا ولایت علی صادق پوری۔۔ ۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۲ء

۷۔ مولانا عنایت علی کا دور ثانی۔۔۔ ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۸ء

۸۔ مولانا نور اللہ۔۔۔ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۲ء

۹۔ مولانا عبداللہ۔۔۔ ۱۸۶۲ء تا ۱۹۰۲ء

۱۰۔ مولانا عبدالکریم۔۔۔ ۱۹۰۲ء تا ۱۹۱۵ء

۱۱۔ مولانا نعمت اللہ شہید ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۱ء

۱۲۔ مولانا رحمت اللہ شہید۔۔۔ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۱ء

۱۳۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی۔۔۔ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۸ء

۱۴۔ مولانا محمد بشیر شہید۔۔۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۴ء

۱۵۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کا دورِ ثانی۔۔۔ ۱۹۳۴ء تا ۱۹۵۱ء

۱۶۔ مولانا صوفی عبداللہ اوڈانوالے۔۔۔ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۷۵ء

۱۷۔ مولانا محمد سلیمان وزیر آبادی۔۔۔۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۳ء

۱۸۔ غازی عبدالکریم خان چمر قندی حفظہ اللہ۔۔۔از ۱۹۸۳ء الی ماشاء اللہ

مؤلفِ کتاب : مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی

مؤلف کتاب امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۰۰ھ کو پیدا ہوئے۔ مرحوم کا شمار جماعت المجاہدین کے سربرآوردہ زعماء میں ہوتا تھا۔ کھاتے پیتے گھرانے کے نازو نعم میں پروردہ فرزند تھے۔ ان کے والد گرامی مولوی میراں بخش محکمہ ریلوے میں افسر تھے۔ انہیں ریٹائر ہونے پر تقریباً اڑھائی ہزار روپیہ بطور بونس ملا تھا۔ بعد میں مولانا فضل الٰہی مرحوم نے بھی اسی محکمہ میں ملازمت اختیار کر لی، لیکن ان کے دل میں جو دینی تڑپ اور اسلام سے محبت تھی، اس نے ان کا تعلق جماعت مجاہدین سے پیدا کر دیا۔ ۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء میں امیر جماعت عبدالکریم صاحب کے پاس پہنچ کر ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کر لی۔ وہاں سے حکم ملا کہ ہندوستان جا کر جماعت کے لیے فنڈ اور افرادی قوت فراہم کرو، وہ پہلے بھی بطور خود یہی کام کرتے رہے تھے۔

۱۹۰۶ء میں ملازمت ترک کر کے کلی طور پر جماعتی کاموں میں مشغول ہو گئے، اور اپنے کام کی سرانجام دہی کے لیے ملک کے طول و عرض میں پھرتے رہتے تھے۔ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بدولت تمام ممتاز ملکی، سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے گہرے ذاتی روابط پیدا کر لیے تھے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد بطور خاص قابل ذکر ہیں، جو "الہلال" کی وجہ سے عالم گیر شہرت حاصل کر چکے تھے۔

اور جنگِ آزادی کے ہراول دستے کے قائد جانے جاتے تھے۔ مولانا فضلِ الٰہی وزیرآبادی انہی قائدین کی مدد سے جماعتِ مجاھدین کے لیے ھمہ قسم کی ضروریات فراہم کرتے تھے۔ مالی وافرادی امداد مسلسل مرکز جماعت "اسمست" بھیجتے تھے۔

اپنے وطن وزیرآباد قیام کے دوران انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا مرحوم حافظ عبدالمنان وزیرآبادی جو استاذ پنجاب کے نام سے معروف ہیں، سے دینی علوم حاصل کرتے رہے تھے۔ اور قرآن پاک بھی اسی دوران حفظ کر چکے تھے۔ غالباً حافظ عبدالمنان مرحوم کی صحبت اور ترغیب کے نتیجے میں ہی ان کا تعلق جماعتِ مجاہدین کے ساتھ قائم ہوا تھا۔ حافظ صاحب مرحوم کی درس گاہ مجاہدین کا امدادی مرکز تھا۔

۱۹۱۵ء میں مرحوم کی خفیہ سرگرمیاں انگریزی حکومت کے علم میں آگئیں۔ انہیں گرفتار کر کے جالندھر جیل میں بند کر دیا گیا۔ مرحوم نے جیل میں بھی ایک ملازم کے ساتھ مل کر اپنا کام جاری رکھا۔ اور خفیہ خط وکتابت کے ذریعے مجاہدین کی مدد کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے دیا۔ جس کی خبر نکلی تو پوری جماعت کے لیے باعث مصیبت بنی۔

مرحوم ۱۹۱۸ء میں تین ہزار روپے کی ضمانت دے کر ایک سال کے لیے رہا ہوئے تو چندہ جمع کرنے کا کام پھر خفیہ جاری رکھا۔ جب ان کی مدت ضمانت ختم ہوئی تو پھر اپنی مہم کے لیے دوروں پر نکل کھڑے ہوئے، جبکہ ان کے خلاف اس سے قبل بھی بغاوت کا مقدمہ چل چکا تھا۔ اور اس مقدمہ کے دوران

انہیں خوفناک سزاؤں سے واسطہ بھی پڑ چکا تھا۔ مگر جذبہ جہاد نے ان کے لیے سب کچھ معمول بنا دیا تھا۔

جب ضمانت کے باوجود بھی ان کی سرگرمیاں جاری رہیں اور ۱۹۲۰ء میں جب قاضی کوٹ سے اسلحہ برآمد ہوا تو مرحوم نے موقع پا کر ہجرت کی اور یاغستان چلے گئے۔ اپنے بیوی بچوں کو بھی وہیں بلا لیا۔ وہاں سے پھر چمرقند چلے گئے اور ہجرت یا جلاوطنی کی باقی عمر وہیں گزاری۔ دوران ہجرت ہی ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ اور ایک بھائی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مگر وہ اپنی ہجرت پر مستقیم رہے اور وطن واپس آنا گوارا نہ کیا۔ تاآنکہ انگریز کے وجود سے ان کا وطن پاک نہیں ہو گیا۔

وطن واپسی

عام مشہور ہے کہ مرحوم اواخر جولائی ۱۹۴۸ء میں یاغستان سے واپس وطن تشریف لائے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ مگر جلد ہی رہا کر دیا گیا۔ دوران قیام یاغستان وہ کانگریس کے حامی تھے۔ مگر جب تقسیم ہند کے بعد وہ لاہور تشریف لائے تو پاکستام کے قیام کے پرزور حامی تھے۔

جہاد کشمیر

پیرانہ سالی کے باوجود وطن عزیز واپس آکر بھی آرام سے نہ بیٹھ سکے بلکہ جہاد کشمیر میں بھرپور عملی حصہ لیا، اور اس موضوع پر یہ عظیم الشان کتاب بھی تالیف کی، نیز جن لوگوں نے انگریز حکومت کے خلاف کام کیا، اور جماعت

مجاہدین کی وجہ سے بے پناہ مصائب برداشت کیے تھے، ان کے لیے حکومت سے دو چک (دیہات) بھی منظور کرائے اور بالآخر ۵ مئی ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔

اور وصیت کے مطابق ان کی نعش وزیر آباد سے لے جاکر بالاکوٹ دفن کی گئی۔

(اللھم اغفرلہ وارحمہ)

مرحوم ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنا تن من دھن سب اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا تھا۔ ملت کی آن کی حفاظت کی خاطر اپنی جوانی بلکہ زندگانی صرف کر دی۔ حصولِ مقصد کی خاطر زندگی بھر ہتھیلی پر جان رکھ کر پھرتے رہے۔ آسائش، آرام اور راحت میسر تھی مگر سب کچھ چھوڑ کر دین و ایمان کی خاطر مصائب کے پہاڑوں سے ٹکر لینے کو ترجیح دی۔ ان کا جہاد حصولِ منصب و جاہ کے لیے نہیں، بلکہ حصول جنت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے تھا۔ وہ غیر اللہ کی حکومت گرانے کے لیے ایک اہم اسلامی فریضہ سمجھ کر مشغول جہاد رہے۔ یہ توفیق ملت میں بہت کم لوگوں کو میسر آئی ہے۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے۔ آمین :

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن۔

مسئلہ جہادِ کشمیر اور اسکی مختصر تاریخ

جنگ و جدل انسانی زندگی کا روزِ اول ہی سے لازمی حصہ رہا ہے۔ اسلام نے اسکے اصول و قواعد مقرر کر کے اسے مہذب شکل میں عملاً پیش کیا۔ پہلی بار انسانیت کو پتہ چلا کہ دشمن کے ساتھ بھی نصیحت اور خیر خواہی کا سلوک ہو سکتا ہے۔ بلاوجہ خونریزی ' مار دھاڑ ' دہشت گردی ' ظلم و ستم کے سدباب کے لئے

نیز انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لئے، عقیدہ و ایمان کی حفاظت کے لیے انسانی اقدار موزوں شکل میں قائم رکھنے کے لیے جہاد سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے۔ جہاد کا آغاز دعوت کے عمل سے ہوتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مرحلے میں جو لوگ روڑے اٹکائیں اور نشر و اشاعت اور قبولِ خیر میں رکاوٹ بنیں، ان کے خلاف طاقت کا حسب ضرورت استعمال جہاد ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی توجیہات و تعلیمات اس قدر شدید اور دقیق ہیں، جن کی کسی دوسرے نظام میں مثال نہیں ملتی حتی کہ حدیث نبوی میں آداب قتل کی تعلیم بھی دی گئی۔ حوصلے اور برداشت کی اس حد تک تلقین کی گئی کہ اگر دشمن کا کوئی شخص تلوار دیکھ کر بھی کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی اہمیت اور دقیق نظامِ جہاد کی وجہ سے ہمیشہ سے مسلمان مؤلفین و محققین نے اس موضوع کو درخورِ اعتناء سمجھا اور ضمناً حدیث کی ہر بڑی کتاب میں جہاد کے مباحث آئے، اور مستقل تالیفات بھی وجود میں آئیں۔ جن میں مسئلہ جہاد کے مالہ وما علیہ پر سیر حاصل گفتگو ہوتی رہی۔ جب بھی کوئی نیا محاذ کھلتا تو دشمن دین اس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرتے، اسے دائرہ جہاد سے نکالنے کی کوشش کرتے، تاکہ مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے ہو سکیں، اور وہ کفر و اسلام اور حق و باطل کی بجائے ذاتی وقار کی جنگ قرار پا سکے۔ اور اہل علم میدان جنگ میں مصروف کار مجاھدین کے شانہ بشانہ علمی محاذ کھول کر ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے اور بحمد اللہ ہر محاذ پر کامیابی مجاہدین کے قدم چومتی رہی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں کبھی اس حماقت کا ارتکاب نہیں کیا گیا کہ مردانِ میدان کسی کے آلہ کار

بنے ہوں یا انہیں دہشت گرد قرار دیا گیا ہو اور نہ ہی کبھی مجاھدین نے اہل علم کو بزدل نکھٹو اور یہود و ہنود کے ترجمان قرار دیا۔

اسی نوعیت کی یہ بھی ایک کتاب ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے جو جہادِ کشمیر کے موضوع پر اپنی مثال آپ ہے۔ مسئلہ کشمیر کاغذات سے نکل کر عملی میدان میں زندہ ہوا تو اس کتاب کی ضرورت و اہمیت بڑھی۔ اپنے موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی۔ مؤلف مرحوم نہ صرف یہ کہ مسئلہ کی حقیقت کو سمجھتے تھے، بلکہ اہل علم و قلم ہونے کے ساتھ صاحبِ سیف و سنان بھی تھے۔

کتاب قارئین محترم کے ہاتھوں میں ہے، میں اس کے متعلق کچھ کہے بغیر اسے پڑھنے کی پرزور سفارش کر کے فارغ ہو جانا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

آخر میں میری استدعا ہے کہ قارئین محترم جناب حافظ وسیم اختر صاحب کے لیے دعا کرنا نہ بھولیں۔ جنہوں نے بروقت اتنی عظیم الشان کتاب گوشہ گمنامی سے نکال کر بھرپور محنت کے بعد آپ کے ہاتھوں تک پہنچائی۔ اللہ کریم انہیں اجرِ جزیل سے نوازے، اور ایسے ہی مزید اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشے اور ہم سب کو اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے۔

وصلی اللہ علی النبی محمد و صحبہ اجمعین

اسلام آباد

حافظ عبد الرشید اظہر

۲۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء

۹ جمادی ثانیہ ۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مراجعت وطن اور پذیرائی

۱۴ اگست ۴۸ء پورے اٹھائیس سال پونے دوماہ کی جلاوطنی کے بعد میں بعض مخلصین کے اصرار پر لاہور شہر میں داخل ہوا۔ مجھ جیسے فرومایہ اور گمنام شخص کی پذیرائی میں میرے اہل وطن خصوصاً اراکین دولت اور سربازان اسلام نے جس گرم جوشی اور محبت کا اظہار کیا اس کا بیان اور اس کی شکر گزاری دونوں میری طاقت سے باہر ہیں۔ میں اس حسن سلوک کا ہرگز مستحق نہ تھا۔ اللہ ان سب کو میری طرف سے جزائے خیر دے اور جن امیدوں کا انہوں نے مجھے محل سمجھا ہے ان سب کو اپنی غیبی تائیدات سے پورا کرے۔

میرے اس چند روزہ قیام کے اندر بہت سے ملنے والے اپنے ساتھ جہاد کشمیر کے متعلق تحریری استفتا بھی لائے اور مجھ پر اصرار کیا کہ ان کا جواب لکھوں۔ ہر چند میں نے معذرت کی کہ میری زندگی کا بیشتر حصہ دشمنان اسلام کے ساتھ لڑنے مرنے میں گذرا ہے۔ وہ بھی ایسے پہاڑوں کے اندر جو علمی مجالس اور مباحث سے قطعاً محروم ہیں۔ مجھے کبھی فتوی نویسی کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ ہی میرے پاس حوالہ دینے والی کوئی کتاب موجود ہے۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور ایسے لوگوں کی سفارشیں لے کر پہنچے، جنہوں نے حضرت سید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مقدس تحریک کا نہایت خطرناک حالات کے اندر انصاریت کا حق ادا کیا تھا۔

میں ان استفتاءات میں فقط ایک کا انتخاب کرتا ہوں جو میرے نزدیک ان سب سے جامع ہے۔ خدا کرے میں صحیح اور مکمل جواب لکھنے میں کامیاب ہو سکوں جو کسی مزید بحث و نظر کا محتاج نہ ہو۔ وما توفیقی الا باللہ۔

استفتا

کیا فرماتے ہیں فقیہان دین متین اس بارے میں کہ۔ (۱) کیا وہ جنگ جو ماہ اگست ۱۹۴۷ء سے پونچھ اور کشمیر کے مختلف محاذوں پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان لڑی جا رہی ہے اسے شرعی نقطہ نظر سے جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرے یہ کہ امام جہاد اور مجاہدین کا تزکیہ نفس کے کمالات سے متصف ہونا شروط جہاد میں سے لازم ہے یا نہیں؟

(۳) تیسرے یہ کہ ایسی صورت میں جب کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے کسی پاکستانی مسلمان کا انفرادی طور پر رضاکارانہ اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی حمایت میں شریک جنگ ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ ایسا کریں تو کیا ان کا یہ فعل فرمان خداوندی (و ان استنصروا کم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینہم میثاق) کی صریح خلاف ورزی تو نہیں؟ کیا آیت میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح نہیں ہے کہ اگر ہماری سرحد کے باہر کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگیں تو ہم صرف اسی صورت میں ان کی حمایت میں جنگ کر سکتے ہیں۔ جبکہ ظلم کرنے والی حکومت یا قوم اور ہماری حکومت کے درمیان معاہدانہ تعلقات نہ ہوں۔ اور اگر معاہدانہ تعلقات ہوں۔

تو کیا مذکورہ بالا فرمان اس بات کی ناقابل انکار دلیل نہیں ہے کہ ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کے دکھ اور درد سے کتنا ہی گداز کیوں نہ ہو ہم پاکستانی مسلمان اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کاروائی نہیں کرسکتے اور اگر کرسکتے ہیں تو فقط ایک ہی صورت میں وہ یہ کہ ہماری نمائندہ حکومت ہندوستان سے کیا ہوا معاہدہ اس کے منہ پر کھلم کھلا مار دے اور بغیر کسی لگی لپٹی کے اس کے برخلاف اعلانیہ اعلان جنگ کردے۔ بظاہر دوستی کے دم بھرنا اور درپردہ اس کے خلاف جنگی تجاویز اور عملیات کرنا کھلم کھلا منافقت ہے، اسلامی اخلاق سے بعید اور یورپ کی ڈپلومیسی ہے۔ اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ یا تو ہم کسی قوم کے ساتھ معاہدہ نہ کریں اور اگر کریں تو اسے پوری ایمانداری اور صداقت سے نباہیں اور اگر دیکھیں کہ فریق ثانی معاہدہ کی خلاف ورزی کررہا ہے تو مذکورہ بالا فرمان کے تحت اس کا معاہدہ اس کو پھیر دیں اور پھر ہم آزاد ہیں کہ جو چاہیں اس کے خلاف عسکری اقدامات کریں۔

(۴) کیا ایسے مدعیان اسلام جو کسی کمزور غیر مسلم ریاست کے اندر آباد ہوں اور بجائے کسی ہمسایہ طاقتور مسلم حکومت کے کسی ایسی مشرک قوم یا حکومت کی سرپرستی کو قبول کرتے ہیں جس کے ساتھ ہمارا معاہدانہ روابط ہو تو ان کے برخلاف جنگی کاروائی کرنا جائز ہے یا نہیں۔ کیا ایسا کرنا فرمان خداوندی:

(الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینهم میثاق)

(ترجمہ: مگر ایسے مدعیان اسلام جو ایسی قوم سے جاملیں جو تمہارے اور ان کے درمیان صلح کا عہدو پیمان ہو۔) کی زد میں تو نہیں آتا:

(ہمایوں اختر ۴۸-۸-۲۵)

الجواب

تمہید۔ پہلے اس سے کہ ہم اصل مسئلہ پر قلم اٹھاویں۔ یہ ضروری ہے کہ فریضہ جہاد کے وجوب اور اس کی اہمیت پر کتاب اور سنت کی روشنی ڈالیں اور یہ کہ وہ نماز اور روزہ کی طرح فرض واجب ہے۔ مگر چونکہ وہ مال سے زیادہ جان کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اس لئے وہ جان پر بہت ہی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے بچنے کے لئے انسان ضعیف البنیان ہزاروں شرعی حیلے اور حجتیں پیدا کر کے اپنے لیے طفل تسلی کا سامان بہم پہنچانے کی عبث کوشش کرتا ہے۔

جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کا وجوب کتاب اور سنت کی روشنی میں

١. یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین واغلظ علیهم. (التوبه پ ١٠ ع ١٠/١٦)

٢. و جاهدوا فی الله حق جهاده (الحج پ ١٧ ع ١٠/١٧)

٣. و قاتلوا فی سبیل الله. و اعلموا ان الله سمیع علیم. (البقره پ ٢ ع ٣٢/١٦)

۴. امرت ان اقاتل الناس (الحدیث)

فریضہ قتال کی اہمیت

فریضہ قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت کو نماز اور روزہ کی طرح کتاب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا جس کے معنی فرضیت اور وجوبیت کے ہیں۔

نماز

ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً (النساء پ ۵ ع ۱۵/۱۲)

روزہ

یا ایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام (البقرہ پ ۲ ع ۷/ ۲۳)

قتال

کتب علیکم القتال وھوکرہ لکم (البقرہ پ ۲ ع ۲۶/۱۵)

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (البقرہ پ ۲ ع ۲۴/۸)

کف ید عن الجھاد ھو التھلکۃ

یہ تفسیر صحابی جلیل القدر نے کی ہے۔ (المنار)

غلامی اغیار

اذا تبایعتم بالعینۃ و اخذتم اذناب البقر و رضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد سلط اللّٰہ علیمکم ذلاً لا ینزعہ لہ حتی ترجعوا الی دینکم (رواہ ابوداؤد عن ابن عمرؓ)

ترجمہ: جب تم سود کا کاروبار شروع کر دو گے اور بیل کی دم پکڑ لو گے اور کاشت

کاری اور کھیتی باڑی پر رضامند ہو جاؤ گے اور جہاد کا کام چھوڑ دو گے تو تم مسلمانوں پر اللہ تعالی کفار کی غلامی کی ایسی ذلت مسلط کر دے گا۔ اس سے اس وقت تک کوئی تدبیر تمہیں نجات نہ دلاسکے گی۔ یہاں تک کہ تم اپنے اصلی دین کی یعنی جہاد کی طرف توجہ نہ کرو گے۔

جہاد کا وجوب قیامت کے دن تک باقی رہیگا

(۱) و قاتلوهم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله (الانفال پ ۹ ع ۵/۱)

(۲) الجهاد ماض مذ بعثنى الله الى ان يقاتل آخر هذه الامة الدجال (الحديث) (رواه ابو داؤد و عن انس. كذافي المشكواة باب الكبار و النفاق)

(۳) لاتزال طائفه من امتى يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال. رواه ابو داؤد عن عمران بن حسين كذافي المشكوة كتاب الجهاد)

(۴) لن تبرح هذا الدين قائما يقاتل عليه عصابة من المسلمين حتى تقوم الساعة (رواه مسلم عن جابرؓ)

اصل مسئلہ

اس تمہید کے بعد ہم اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان

سات وجوہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ جن کی بنا پر اللہ تعالی نے امت محمدی پر فریضہ جہاد واجب گردانا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ بھی جہاں کہیں پیدا ہو جائے تو وہاں کے مقامی لوگوں پر فریضہ جہاد کا بجا لانا واجب ہو جاتا ہے۔ اور جب تک وہ اس فریضہ سے سبکدوش نہ ہولیں ان کو کسی دوسرے شغل میں بطریق استقلال مشغول ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان میں سے بعض ایسے وجوہ بھی ہیں جو سارے عالم اسلام کو عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ ان وجوہات کے بیان کرنے کے بعد یہ بات ہم اپنے مسلم بھائیوں کے انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ وہ جہاد کشمیر کے مسئلہ کو ان ساتوں وجوہات میں سے جس وجہ کے میزان پر تولنا چاہیں تول لیں۔ اگر اس میں رتی بھر کی کمی بیشی پائیں تو ہمیں متنبہ کریں۔ ورنہ پیشتر اس کے کہ وہ قیامت کے روز اپنی اس کوتاہی پر یوں نوحہ کرے:۔

یحسرتیٰ علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ و ان کنت لمن السٰخرین.

چاہیے کہ ہم اپنے اپنے حال کی فوری اصلاح کریں اور وقت کی نزاکت کا احساس کر کے ہر قسم کی نکتہ چینی سے دور رہیں۔ اور پاکستان اور دیگر ممالک اسلام کو ہندوازم کے اس ہمہ گیر خطرے سے بچانے کی نیت سے پروانہ وار جہاد کشمیر میں پہنچیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے اس موقعہ کو جو مدتوں کے بعد پیدا ہوا ہے غنیمت سمجھ کر اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ نے اپنے ایک مکتوب میں بقلم شاہ اسمعیل شہید اس قسم کے موقعہ مغتنمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے احباب کو اس سے مستفیض ہونے کی خاطر یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

"ازانجا کہ ایں نعمت عظمی و عطیہ کبری (مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے) از قبیل نوادر زماں و بدائع دوران است کہ گاہ گاہ بعد از مرور وہور روے نماید و بر روئے مومنین مخلصین ابواب فتوح و سرور مے کشاید۔ بناء علیہ میخواہم کہ دوستان قدیمی و مخلصان صمیمی خود را شریک ایں فیض ربانی و دولت جاودانی گردانم و بمراتب عزت دارین و وجاہت کونین رسانم۔ لہذا بخدمت صداقت درجت نگارش کردہ مے شود کہ ورود ایں زمان محمود و آوان مسعود بہ نسبت مومنین راسخ الاعتقاد و مخلصین کامل الانقیاد بمشابہ آمد موسم بہار در حق گل و بلبل و یا موسم برشگال در حق اشجار و نباتات شمارند و آنچہ کردنی باشد بکنند و اگر تجارت مال میخواہند اینک وقت او در رسید۔ یک دانہ بکارند و ہفت صد دانہ بدست آرند۔ وقت را از دست ندہند و آنچہ از دست تواند شد فی الحال بکنند کہ اوقات مسعود و ساعات محمود از وست مے رود و جز باد حسرت و ندامت بدست نے آید۔

(ماخوذ از مکتوب نمبر ۲۵ صحیفہ ۲۱۶/۲۱۷ سوانح احمدی)

وجوہات ہفتگانہ

وجہ اول ۔ اعلائے کلمتہ اللہ

اعلائے کلمتہ اللہ سے مراد یہ ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کا سیاسی اقتدار اس قدر مضبوط اور وسیع کیا جائے کہ نہ صرف دنیا بھر کی کسی غیر مسلم طاقت کو یہ جرات ہو کہ وہ افراد امت سے کسی فرد کو کسی فتنہ میں خواہ وہ مذہبی ہو یا دینوی، مبتلا کر سکے۔ بلکہ وہ سب کی سب اسلام کے پولیٹیکل اقتدار کے سامنے اس طرح سر تسلیم خم کر دیں کہ اس کا ہر حکم ہر جگہ بلاچوں و چرا نافذ ہو اور غیر مسلم طاقتیں

اس کی رعیت گری کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈال کر اپنے ہاتھوں ہر قسم کا ٹیکس اور مال گذاری، اس کے خزانہ عامرہ میں داخل کریں۔ چنانچہ فرمایا۔

اعلائے کلمتہ اللہ کی یہ شکل بھی ہے کہ کفار اسلام کو قبول کر کے ہمارے بھائی بن جائیں اور ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں جو ہم لوگوں کو حاصل ہوں۔

الف:۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کله لله۔
(انفال پ ۹ ع ۵/۱)

ترجمہ: اور (اے مسلمانو) تم ان کفار سے لڑتے رہو اس وقت تک کہ نہ رہے کوئی فتنہ (یعنی کفار کا غلبہ) اور بنی نوع انسان کی زندگی کا، دستور العمل سارے کا سارا اللہ کا ہو جاوے (دین بمعنے قانون، دستور العمل زندگی دیکھو سورہ یوسف)

ب:۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسوله و لا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید و هم صاغرون (التوبہ پ ۱۰ ع ۴/۱)

ترجمہ: (اے مسلمانو) ان لوگوں سے لڑتے رہو جو نہ اللہ ہی پر ایمان لاتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ ہی ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جن کو اللہ اور رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ ہی وہ دین اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ یعنی اہل کتاب ان لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو کہ وہ اسلام کی رعیت گری قبول کر کے اپنے ہاتھ سے تم کو جزیہ دیویں اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں۔

ج:. امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا اللّٰه و ان محمداً رسول اللّٰه و یقیموا الصلوة و یوتوا الزکوة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دمائهم و اموالهم الا بحق الاسلام و حسابهم علی اللّٰه (متفق علیه . کذافی،مشکوة کتاب الایمان)

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (اللہ تعالی کی طرف سے) بات پر مامور کیا گیا ہوں کہ لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں کہ وہ گواہی دیویں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالے کے رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں۔ ہاں اگر قوانین اسلام کی خلاف ورزی سے وہ کہیں مواخذہ میں آجاویں تو یہ دوسری بات ہے اور ان کا معاملہ اللہ تعالے سے ہے۔

وجہ دوئم۔ حفاظت خود اختیاری کے لیے

اس سے مراد اس ظلم و تشدد کا دفع کرنا ہے جو مسلمانوں پر محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار و مشرکین کے ہاتھ سے ظہور میں آتا ہے۔ ان کے ظلم و جور سے بچنے کیلئے انہیں کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا اور تاوقتیکہ ظالموں کا زور ٹوٹ نہ جائے، جہاد برپا رکھنا ضروری ہے چنانچہ فرمایا:۔

(۱) اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا و ان اللّٰه علی نصرهم لقدیر. الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللّٰه (الحج پ ۱۷ ع ۶/۱۳)

ترجمہ:- ان مظلوم مسلمانوں کو جن کے ساتھ مشرکین (خواہ مخواہ) جنگ و جدال برپا رکھتے ہیں ان کو ان کی مظلومیت کی بناء پر دفعیہ ظلم کی خاطر (ان کفار کے مقابلہ میں) تلوار اٹھانے کی اجازت دی جاتی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ ستم رسیدہ لوگ ہیں جن کو (محض مسلمان ہونے کی بنا پر) گھروں سے نکالا گیا ہے۔ (ان کا جرم صرف یہی ہے) کہ وہ کہتے ہیں کہ پروردگار ہمارا صرف اللہ ہی ہے۔

(۲) قاتلوا فی سبیل اللّٰہ او ادفعوا (آل عمران پ ۴ ع ۱۷/۸)

ترجمہ:- اللہ کی راہ میں (بطریق جارحانہ) لڑو یا دشمن کے حملوں کی مدافعت کرو۔

(۳) حدیث:۔ من قتل دون نفسه فهو شهيد و من قتل دون ماله فهو شهيد. و من قتل دون عرضه فهو شهيد.

(رواه ابوداؤد عن سعيد بن زيد) كذافي المشكوة باب مالا يضمن من جنايات.

ترجمہ:- جو شخص اپنی جان کی حفاظت کے سلسلہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت کے ذیل میں مارا جائے تو وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنی ناموس کی حفاظت کے ذیل میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔

نوٹ:- حفاظت خود اختیاری یعنی مال و جان، عزت و ناموس کو کفار و مشرکین کے ہاتھ سے بچانے کی خاطر تلوار اٹھانا ضروری ہے اور اس قسم کی جنگ لڑنا عین

منشائے الٰہی اور رسول اللہ ﷺ ہے اور منجملہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جب مسلم قوم کفار کے ہاتھ سے اپنے مال و جان کی اور اپنی مستورات کی ناموس کی حفاظت نہ کر سکی تو وہ اعلائے کلمتہ اللہ خاک کرے گی۔ حقیقت میں مسلمانوں کی سربلندی ہی سے اعلائے کلمتہ اللہ کے منشا کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ دگر ہیچ۔

وجہ سوئم بے بس مسلمانوں کو کفار سے نجات دلانے کیلئے

اس بارے میں اللہ تعالے آزاد مسلم ممالک اور ان کے اندر بسنے والے مسلمانوں کو مظلوم اور بے بس مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال و النساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیرا (النساء پ ۵ ع ۷/۱۰)

ترجمہ:۔ اور (اے آزاد مسلمانو) تمہارے لیے کیا عذر ہے۔ کہ تم راہ اللہ میں اور ان بے بس (مسلم) مردوں، عورتوں اور بچوں کی حمایت میں جو مشرکین کے بلاد میں آباد ہونے کی وجہ سے ان کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں ان کو ان کے ظلم و جور سے نجات دلانے کی خاطر نہیں لڑتے ہو جو (دن رات میرے حضور میں یوں) فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر یہاں کے لوگ ہم پر بہت ظلم کر رہے ہیں اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو

ہمارا حامی بنا اور (خود ہی) اپنی طرف سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر کر۔

نوٹ:۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد مسلمانوں پر اپنے ان مظلوم اور بے بس نہتے مسلم بھائیوں کو نجات دلانے کی خاطر سر کی بازی لگانا فرض اور واجب ہے جو دارالحرب میں کفار و مشرکین کے زیر سایہ رہتے اور محض مسلمان ہونے کے جرم میں ان کے جور و ظلم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ اس قسم کی لڑائی بھی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اس کے اندر دیدہ و دانستہ حصہ نہ لینے والوں کے لیے کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔

وجہ چہارم۔ کفار سے انتقام لینے کی خاطر

کفار سے انتقام لینے کی خاطر لڑائی کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ خواہ ان کے ہاتھ سے فقط ایک ہی مسلمان پر ظلم ہوا ہو۔ جس کی مثال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کو قریش مکہ کے پاس اپنے سفر کے مقاصد بیان کرنے اور امن کے ساتھ عمرہ کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ قریش نے ان کو روک لیا۔ ان کی واپسی میں خلاف توقع دیر لگ گئی اور مشہور ہوا کہ قریش کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے رفقاء سے جن کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جان نثاری کی بیعت لی کہ وہ آخر وقت تک کفار مکہ کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں گے۔ تفصیل کے لیے دیکھو بخاری شریف کی احادیث جو عبداللہ بن زیدؓ اور سلمہؓ سے اور ابن عمرؓ اور جابرؓ سے اس واقعہ میں روایت کی گئی ہیں۔ اس بیعت کا نام بیعت رضوان رکھا گیا اور جن سربازوں نے اس بیعت کا شرف حاصل کیا ان کی

سورہ الفتح کے اندر قرآن مجید نے بڑی تعریف کی ہے اور ان سے بڑے بڑے انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔ ازالجملہ

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباً

ترجمہ:۔ (اے پیغمبر) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے) کی بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالے نے (مسلمانوں کا یہ طرز عمل دیکھ کر) انہیں اپنی پوری رضامندی کا یقین دلایا اور اسی طرز عمل سے اس نے ان کی اس دلی عقیدت کو جو انہیں اسلام کے ساتھ تھی مان لیا (اس برکت سے) اس نے ان پر اطمینان اور سکینت کے (خزانے) نازل کئے اور (اس بیعت کے بدلے ہی) ان کو نقدم فتح خیبر سے سرفراز فرمایا۔

نوٹ:۔ جب آنحضرت ﷺ جیسے عدیم المثال سیاسی مفکر اور اللہ کے برگزیدہ رسول کے نزدیک ایک مسلمان کے انتقام کے لیے ایک نہیں دو نہیں پورے چودہ سو عدیم المثال ہستیوں کا قربان کر دینا ضروری قرار دیا گیا ہے تو بھلا جہاں لاکھوں مسلمان کفار و مشرکین سے محض اس جرم میں مارے گئے ہوں کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور ہزاروں دوشیزہ پاکدامن مسلم عورتوں کی آبروریزی عصمت دری محض اس گناہ کے بدلے سکھ درندوں کے ہاتھ سے وقوع میں آئی ہوں کہ وہ اسلام کی نام لیوا ہیں۔ اسی طرح ہزاروں شیر خوار بچے آگ کی نذر کر دیے گئے ہوں۔ لاکھوں فرزندان اسلام کروڑوں روپے کی جائیداد سے محروم کر دیئے گئے، لاکھوں کو جلاوطنی اور دربدری پر مجبور کیا گیا ہو۔ وہاں ان کے انتقام سے صرف نظر

کرنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ جس طرح ہندوستان کے اندر بسنے والے مسلمانوں کی مظلومیت کی داستان ایسی نہیں جو ہماری آنے والی نسلوں کو قیامت تک بھول سکے۔ اسی طرح جو مظالم سکھوں اور ڈوگروں کے ہاتھ سے جموں و کشمیر، پونچھ، راجوری، نوشہرہ وغیرہ کے اندر مسلم آبادی پر ہوا اس کی یاد ناقابل فراموش ہے۔ ان واقعات زہرہ گداز سے ہر مسلم کا گھر آج ماتم کدہ دکھائی دیتا ہے۔ کوئی زبان نہیں جو ان پر مرثیہ خوان نہ ہو اور کوئی آنکھ نہیں جو ان پر خون کے آنسو نہ بہاتی ہو۔

کدام دل کہ ازیں واقعہ دگرگوں نیست
کدام کس کے ازیں واقعہ جگر خوں نیست
کدام جاں کہ نشد سوختہ ز آتش غم!
کدام چشم کہ از اشک بحر جیحوں نیست

وجہ پنجم۔ عہد شکنی کی بنا پر کفار و مشرکین سے لڑنا جہاد ہے

عہد شکنی کی بنا پر کفار و مشرکین سے جنگ و جدال برپا کرنے ان کے چوٹی کے لیڈروں کو چن چن کر مارنے اور ان کی سرمایہ داری اور ان کی جنگی قوت سے خالی الذہن ہو کر بے دریغ لڑنے کے یکے بعد دیگرے کئی احکام تاکید بالائے تاکید کے ساتھ بارگاہ لم یزل سے صادر ہوتے ہیں اور یہ کہ عہد شکنی کی بناء پر ان کا ایسا قتل عام کیا جاوے کہ ان کی آنے والی نسلیں قیامت کے دن تک عہد شکنی کے وبال کو بھول نہ سکیں اور کبھی انہیں مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی

کرنے کی جرات نہ ہو۔ اس بارے میں ہم قرآن مجید سے ناظرین کرام کی عبرت پذیری کیلئے مشتے از خروارے بطور نمونہ چند آئتیں یہاں درج کرتے ہیں:۔

(۱) و ان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم و طعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمه الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون (التوبه پ ۱۰ ع ۱۲/۸)

اگر مشرکین عہد کے پیچھے اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین کے اندر مین میخ نکالیں تو تم لوگ اس نیت سے کہ وہ لوگ عہد کی خلاف ورزی اور دین اسلام کی توہین سے باز رہیں کفر کے سرغنوں اور کفر کے لیڈروں سے خوب لڑو۔

(۲) الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم و هموا باخراج الرسول و هم بدءوکم اول مرة اتخشونهم. فاالله احق ان تخشوه ان کنتم مومنین (التوبه پ ۱۰ ع ۲/۸)

اے مسلمانو! تم ان مشرکین سے دل کھول کر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول کو ان کے گھر سے نکال دینے کی سازش کی۔ (یہاں پیغمبر تو نہیں مگر ان کی امت کے لاکھوں افراد کو بلاوجہ گھر سے نکالا۔ بہار، بنگال، دہلی، میوات، راجپوتانہ، پٹیالہ، مشرقی پنجاب وغیرہ کے واقعات اس کی تازہ مثال ہیں) ان کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کی گئیں اور ان مشرکین نے تم سے چھیڑ خانی میں ابتداء کی۔ کیا تم ان (کثرت نفوس، سرمایہ کی فراوانی، فوجی قوت اور سامان حرب کی زیادتی) سے مرعوب ہو گئے ہو۔ (ایسا ہرگز نہیں چاہیے) اگر تم سچے مسلمان ہو تو اللہ ہی سے مرعوب ہونا چاہیے۔

قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم و یخزھم و ینصرکم علیھم و یشف صدور قوم مومنین. و یذھب غیظ قلوبھم و یتوب اللہ علی من یشاء واللہ علیم حکیم (التوبہ پ ۱۰ ع ۲/۸)

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! تم ان (عہد شکن فساد پیشہ مشرکین) سے (ضرور) لڑو۔ اللہ تعالے (اس کام کے چھ نتیجے پیدا کرے گا)۔ (اول) ان کو تمہارے (کمزور) ہاتھوں سے عذاب کرے گا۔ (دوئم) ان کو ذلیل کرے گا۔ (سوئم) تم کو ان پر غلبہ دلائے گا۔ (چہارم) مسلمانوں کے سینوں کے لیے (جو کفار کی مسلم کشی اور مستورات کی عصمت ریزی سے زخمی ہو چکے ہیں) مرہم شفا بہم پہنچائے گا۔ (پنجم) مسلمانوں کے دلوں میں (مشرکین کے ظلم و تشدد کی وجہ سے) جو غیظ و غضب بھرا ہوا ہے اس کو نکالنے کی راہ پیدا کرے گا۔ (ششم) ان کفار و مشرکین میں سے جتنوں کو چاہے گا (اسلام کی نعمت سے سرفراز کر کے) اپنی مہربانی کا ظہور فرمائے گا اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

(۴) ان شر الدواب عنداللہ الذین کفروا فھم لا یومنون الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ و ھم لا یتقون فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون (الانفال پ ۱۰ ع ۴/۳)

ترجمہ:۔ اللہ کے نزدیک تمام حیوانوں سے بدترین حیوان وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ کسی طرح ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن سے تم نے صلح کا عہد و پیمان کیا۔ پھر وہ اپنے معاہدہ کو ہر بار توڑتے ہیں اور وہ بد عہدی کے وبال سے بھی نہیں ڈرتے۔ تو اگر تم ان پر لڑائی میں قابو پاؤ تو ان پر ایسا زور ڈالو کہ جو

لوگ ان کی پشت پر ہیں ان کو بھاگتے دیکھ کر ان کو بھی بھاگنا پڑے شاید یہ لوگ شکست سے مرعوب ہو کر عبرت پکڑیں۔

خازن نے اس آیت کے معانی بقرار ذیل لکھے ہیں:۔

انک اذا ظفرت بھولاء الکفار الذین نقضوا العھد فافعل بھم فعلا من القتل و التنکیل تفرق بہ مع کل ناقض العھد حتی یخافک من وراءھم ۳۶/۲

فریضہ پاکستان

ان مذکورہ بالا چاروں فرامین آسمانی کی رو سے عہد شکن کفار و مشرکین کے ساتھ پاکستان حکومت اور پاکستان کے اندر آباد ہونے والے تمام مسلمانوں کو بار بار جنگ کرنے کی تاکید ہوئی ہے۔ عہد شکن مشرکین اور کفار کو روئے زمین کی بدترین مخلوق قرار دیا گیا ہے اور میدان جنگ میں ان پر قابو پانے کی صورت میں ان کے اس طرح قتل عام اور تعذیب کی طرف راہ نمائی کی ہے کہ ان کی آنے والی نسلیں عبرت پذیر ہوں اور انہیں اہل اسلام کے ساتھ عہد شکنی کی کبھی جرات نہ ہونے پائے۔

نوٹ:۔ آنحضرت ﷺ نے سنہ ۸ ہجری میں اہل مکہ پر جو لشکر کشی کی اس کی وجہ بھی عہد شکنی ہی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے سنہ ۴ ہجری میں یہود کے قبیلہ بنی نضیر کے مدینہ منورہ سے نکالے جانے کا واقعہ جس کا ذکر سورہ الحشر میں ہے۔ اور یہود کے دوسرے قبیلہ بنی قریظہ کا واقعہ جس کے اندر ان کے جوان مارے گئے اور ان کی عورتیں اور بچے اسیر ہوتے یہ سب واقعات عہد شکنی کی وجہ سے رونما ہوئے۔

اگر حکومت پاکستان مذکورہ بالا آیات بینات کی روشنی کے ماتحت ہندوستان کے برخلاف اعلان جنگ کرتی تو یقیناً باجود پرلے درجہ کی بے سروسامانی کے وہ اس کے اندر سو فیصدی کامیاب ہوتی۔ جس طرح کہ قبل ازیں انتخابات اور ریفرنڈم کی مہموں کے اندر کامیاب ہوئی ہے۔ حالانکہ ان مہمات کے اندر مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کے ساتھ کوئی آسمانی وعدہ نصرت کا نہ تھا۔ برخلاف موجودہ جنگ کے کہ اس کے اندر آسمانی تائید کے ایک نہیں دو نہیں پورے چھ عدد وعدے موجود ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ کاش ہماری حکومت سکیورٹی کونسل کے فیصلوں پر تکیہ لگانے کی بجائے اللہ تعالی کے اٹل وعدوں پر بھروسہ کرتی اور قرآن مجید کی صداقت کا امتحان کرنے کی جرات کرتی۔ اگر وہ ایسا کرتی تو اس وقت تک سارا براعظم ہند فتح کر چکی ہوتی۔ کشمیر، حیدر آباد، دکن، جونا گڑھ کے معاملے اور نہروں اور بجلی کے پاور ہاؤسوں کے جھگڑے کب کے طے ہو چکے ہوتے۔ سارا ہندوستان خالص پاکستان بن چکا ہوتا۔ پاکستان اور سارا عالم اسلام ہندو ازم کے خطرہ قیامت نما سے ہمیشہ کے لیے بے غم ہو چکا ہوتا۔ یہ کیوں؟ محض اس لیے کہ آسمانی وعدوں کے اندر کبھی تخلف اور تعطل نہیں ہوتا کیا (ان اللہ لا یخلف المیعاد) کا اعلان ہمارے اطمینان کے لیے بس نہیں ہے؟

وجہ ششم۔ آزادی وطن اور قوم کے لیے جنگ کرنا

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ملک پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا پیچھے کسی وجہ سے اس پر کافروں کا تسلط ہو گیا اور وہاں کی مسلم آبادی کفار کی رعیت اور غلام بن گئی اور انہوں نے جس طرح چاہا ان کے مال و جان میں تصرف کرنا شروع کر دیا۔ اب اس وطن کو پھر سے کفار کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے

جو جنگ لڑی جائے گی اسے قومی اور وطنی جنگ نہیں کہا جائے گا بلکہ قرآن مجید کی اصطلاح میں وہ جنگ بھی "قتال فی سبیل اللہ" کے مقدس نام سے یاد ہو گی۔ کیونکہ مسلم قوم کی دنیا اس کے دین سے کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ دونوں کے درمیان ایک ناقابل انفکاک رابطہ ہے۔ ایک کی زندگی دوسری کی زندگی پر موقوف ہے۔ جیسے روح اور بدن کا تعلق۔ اگر مسلم قوم کے ہاتھ سے اس کا ملک نکل جائے اور اس پر کفار قابض ہو جائیں تو اس کے ساتھ ہی اس کا دین مفلوج ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس وطن کا کفار سے نجات دلانا ہر قیمت پر مسلم قوم کے تمام مذہبی فرائض میں سے اہم فریضہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال جالوت اور طالوت کے قصہ میں ملتی ہے۔ اس اجمال کی مختصر شرح یوں ہے:۔

قصہ جالوت و طالوت

خلافت راشدہ کا وہ نظام جو حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے درمیان قائم کیا تھا ان کے خلیفہ سیدنا یوشع علیہ السلام کی وفات ۱۴۵۰ قبل مسیح کے بعد درہم برہم ہو گیا۔ قوم بارہ حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ہر سبط کا اپنا سردار تھا۔ طوائف الملوکی سے خانہ جنگی کا ہونا لازمی تھا۔ اس باہمی کشت و خون اور بے اتفاقی کا فائدہ غیر مسلم ہمسایہ قوموں نے اٹھایا۔ جن کے اندر عمالقہ سب سے پیش پیش رہے اور وہ ان کے اکثر حصہ ملک پر متصرف ہو گئے۔ انہوں نے جس طرح چاہا بنی اسرائیل کے مال و املاک اور اولاد کے اندر تصرف کیا۔ کسی کی کیا مجال جو ان سے پوچھ سکے۔

طوائف الملوکی کا یہ عذاب ساڑھے چھ سو برس تک بنی اسرائیل پر مسلط رہا۔ مسلم قوم کفار کی دن رات کی چیرہ دستیوں سے جان بلب ہو گئی۔ آخر کار قوم کے

نمائندوں کو باہمی اتفاق اور اتحاد کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ متحدہ قوت سے دشمن کے اقتدار کا خاتمہ کریں اور اپنے اور اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کو روشن کریں۔

اب وہ کس کو اپنا سیاسی لیڈر اور امام بنائیں جس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر حکومت وقت سے لڑیں اور اس کی غلامی کے جوئے سے نجات حاصل کریں۔ اس مسئلہ کا حل ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ کیونکہ بارہ اسباط میں سے ہر ایک سبط کا نمائندہ دوسرے کی لیڈر شپ کو اپنے لیے ننگ و عار سمجھتا تھا۔ آخر انہوں نے باہمی مشورے سے اس مسئلہ کو اپنے وقت کے نبی کے سپرد کر دیا۔ ان کا نام شموئیل (علیہ السلام) تھا۔ انہوں نے الہام خداوندی کی روشنی میں بنیامین کی اولاد میں سے ساؤل نامی کو جسے قرآن مجید نے طالوت کے نام سے یاد فرمایا ہے ان کا بادشاہ مقرر کیا۔ ان کی سرپرستی میں انہوں نے جالوت کا مقابلہ کیا۔ ایلا کی وادی (Eala Vally) میں دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے۔ عمالقہ کا سپہ سالار جالوگ نامی چالیس روز تک برابر ہر روز (ہل من مبارز) کا نعرہ لگاتا اور طالوت بادشاہ اور اس کے عسکریوں کو طرح طرح کے طعنے دیتا رہا۔ نامردی اور بزدلی کے الزام لگائے۔ مگر اسرائیلیوں میں سے کسی کو مقابلہ کی جرات نہ ہوتی تھی نہ ہوئی۔ قریب تھا کہ جالوت اپنی فوج کو مغلوبہ جنگ کا حکم دیتا اور چشم زدن میں اسرائیلیوں کا نام و نشان مٹا دیتا کہ ناگاہ اس دوران میں ایشیاء کا ایک گمنام بیٹا جو بکریوں کا چرواہا تھا، جالوت کے مقابلہ میں جا نکلا۔ فلاخن میں پتھر رکھ کر تاڑ کر اس کی پیشانی پر پھینکا۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ نوجوان چرواہا آگے بڑھا اور جالوت کی تلوار اس کی کمر سے کھول کر جالوت کا سر کاٹ لیا۔ عمالقہ کی فوج بھاگ گئی۔ ان کا سب مال و اسباب بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا۔ ہر طرف سے تحسین اور آفرین کے نعرے بلند ہوئے۔ اس روز بنی اسرائیل کو کفار کی غلامی سے نجات نصیب ہوئی۔

معاوضہ خدمات

کفار کے سیاسی اقتدار سے داؤد علیہ السلام نے اپنی مسلم قوم اور اپنے وطن کو نجات دلانے کے لیے یہ جنگ جو لڑی اور وہ ملک جو عمالقہ کے تسلط کی وجہ سے دارالحرب بن چکا تھا، اسے پھر سے دارالاسلام بنایا۔ وہ اللہ کی نظر میں ایسے بھائی کی اس خدمت کے صلہ میں بقرار فرمان:

وقتل داؤد جالوت و اتاه اللّٰه الملک و الحكمة و علمه مما يشاء (پاره ۲ ع ۱/۳۳)

ترجمہ:۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور (اس خدمت کے صلہ میں) اللہ تعالی نے اس کو سلطنت عطا کی اور انتظامی عقل کا جوہر بخشا اور جو جو علم و ہنر اس کی مرضی میں تھا ان کو سکھا دیا۔ ان کے سر پر نبوت کا تاج پہنا کر تورات و انجیل کی طرح ایک مقدس کتاب یعنی زبور عطا فرمائی اور زمین و آسمان کی کائنات کے اندر خلافت داؤدی کا بدیں الفاظ اعلان کرایا۔

يا داؤد انا جعلنک خليفة فى الارض (ص پ ۲۳ ع ۱۱/ ۲)

ترجمہ:۔ اے داؤد علیہ السلام ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ نوازش فرمائی کہ ان کو ایسا فرزند ارجمند عطا کیا جس کو نبوت کے علاوہ سلطنت جہانبانی کے رو سے وہ اقتدار مرحمت کیا گیا جو بنی نوع انسان میں سے کسی فرد کو نہ دیا گیا تھا۔ دنیا کی تمام کائنات ان کے لیے مسخر کر دی گئی۔ اللہ تعالی نے ان کو نعم العبد انه أواب (پ۲۳

ع۲ ۱/۳) کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ مسلم قوم کو اس قسم کی جنگیں جو انہیں قومی آزادی اور ملی استقلال کے حصول کے لیے ہر آنے دن کفار و مشرکین سے درپیش رہتی ہیں کی مثال آجکل پونچھ اور کشمیر، حیدر آباد، دکن اور فلسطین اور انڈونیشیا کے اندر پائی جاتی ہے۔ اگر یہ جنگیں جیسا کہ آج کل بعض انتہا پسند علماء اور روحانی پیشوا کہتے ہیں جہاد فی سبیل اللہ کی شان سے سرفراز نہ ہوتیں بلکہ دنیوی اور ملکی جنگ ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ملعون اور مردود ہوتیں تو نہ ہی سیدنا داؤد علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں یہ عزت اور سر بلندی نصیب ہوتی اور نہ ہی قرآن مجید ان کی تعریف و توصیف میں یوں رطب اللسان پایا جاتا۔ اس اجمال کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید کی مذکورہ ذیل سورتوں اور ان کے رکوعوں کو ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) سورہ البقرہ پارہ ۲ رکوع ۱/۳۳

(۲) سورہ النساء پارہ ۶ رکوع ۳/۲۳

(۳) سورہ المائدہ پارہ ۶ رکوع ۱/۱۱

(۴) سورہ الانعام پارہ ۷ رکوع ۱۶/۱۰

(۵) سورہ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۷/۷

(۶) سورہ النمل پارہ ۱۹ رکوع ۱۷/۲

(۷) سورہ سبا پارہ ۲۲ رکوع ۸/۲

(۸) سورہ ص پارہ ۲۳ رکوع ۱۱/۲

قرآن مجید آزادی وطن اور قوم کی اس جنگ کو افضل ترین جہاد اور قتال فی سبیل اللہ قرار دیتے ہوئے اس پر بدیں الفاظ روشنی ڈالتا ہے۔

الم ترالی الملا من بنی اسرائیل من بعد موسی اذ قالوا لنبی لهم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ. قال ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلوا. قالوا و ما لنا ان لا نقاتل فی سبیل اللہ و قد اخرجنا من دیارنا وابنائنا. فلما کتب علیھم القتال تولوا الا قلیلاً منھم. و اللہ علیم بالظلمین (البقرہ پ ۲ ع ۳۲/۱٦)

ترجمہ بمع تشریح:۔ (اے پیغمبر ﷺ) کیا تو نے بنی اسرائیل قوم کے لیڈروں کی (حالت پر) نظر نہیں کی کہ ایک وقت میں انہوں نے اپنے (زمانے کے پیغمبر (شموئیل) کی خدمت میں عریضہ پیش کیا اس غرض سے کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردو کہ ہم (اس کی راہ نمائی میں) اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ (اس پر ان کے پیغمبر نے ان سے کہا) کہ کچھ تعجب نہیں کہ اگر تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا تو پھر نہ لڑو (اس پر) وہ بولے اب ہمارے لیے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں۔ حالانکہ حال یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی اولاد سے نکالے جا چکے ہیں۔ (یعنی حکومت وقت نے وطن اور قوم کے جملہ حقوق ہم سے چھین لیے ہیں اور ہمیں بالکل بے دخل کر دیا ہے۔) حکومت وقت جب جیسا چاہتی ہے ہماری مرضی کے خلاف ہمارے مال و جان کے اندر ہماری اولاد کے اندر تصرف کرتی ہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ پس جب ان پر ان ملکی اور قومی اغراض کے ماتحت بارگاہ الٰہی سے ان کی اس غیر مسلم حکومت کے ساتھ) لڑنا فرض کر دیا گیا۔ تو سوائے معدودے چند کے (جن کی گنتی اصحاب بدر کی یعنی تین سو تیرہ ۳۱۳

تھی) باقی سب پھر گئے۔ (اور لڑنے سے انکار کر دیا) اور اللہ تعالیٰ اِن نافرمانوں کے حال سے خوب باخبر تھا۔

اہل علم کے لیے ایک نکتہ قابل غور و فکر

قوم بنی اسرائیل جو اپنے وقت کی ایک مسلم قوم تھی اپنے پیغمبر کے رو برو اس لڑائی کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے اس نے حکومت وقت کے برخلاف جو شکایت کی وہ یہ نہ تھی کہ اس غیر مسلم حکومت نے ازراہ تعصب ہمیں مذہبی فرائض نماز و روزہ کی بجا آوری یا تورات شریف کی تلاوت اور تدریس سے روک دیا ہے بلکہ شکایت کی تو صرف یہ کہ اس نے ہمارے مال و جان اور اولاد کے حقوق جن کا تعلق تمام تر اس چند روزہ دنیوی زندگی کے ساتھ تھا نہ کہ روحانی زندگی کے ساتھ وہ ہم سے چھین لیے ہیں۔ اگر ان ملکی و قومی اغراض کے ماتحت ایک مسلم قوم کا غیر مسلم قوم کے ساتھ جنگ کرنا جہاد فی سبیل اللہ کا حکم نہ رکھتا ہوتا تو ضرور ان کا پیغمبر اس کی تردید کر دیتا اور کبھی ان کی تائید اور تصدیق نہ کرتا اور نہ ہی بارگاہ الٰہی سے اس کی منظوری دی جاتی۔ پیغمبر علیہ السلام کو جو تھوڑا بہت تامل ہوا تو وہ ان لوگوں کی قابلیت جنگ پر ہوا نہ کہ اصل مسئلہ جنگ کی ضرورت اور اہمیت پر اور نہ اس بات پر کہ اس قسم کی جنگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے وقت کا یگانہ ذریعہ نہیں ہے۔

عبرت

اس واقعہ سے ان لوگوں کو عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے جو مسلمانوں کی اس قسم کی جنگ پر یورپین قومیت اور وطنیت کا الزام لگا کر اپنی اس

حرکت سے نہ صرف فرزندان اسلام کے دلوں میں ولولہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کا باعث بنتے ہیں بلکہ وہ حقیقت میں کفار کے سیاسی اقتدار کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور طویل العمر بناتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ان حضرات کے نظریہ کو مشعل راہ بنایا جائے گا تو کبھی کوئی وطن جو پہلے دارالاسلام تھا پھر مسلم قوم کی شامت عمل سے وہ کفار کے تسلط کی وجہ سے دارالکفر اور دارالحرب بن گیا تا روز قیامت دارالاسلام بن نہ سکے گا۔ کیونکہ جو جنگ اس قسم کی بھی کفار سے نجات حاصل کرنے کے لیے لڑی جائے گی اس پر جھٹ وطنیت اور قومیت کا الزام لگا کر فرزندان اسلام کی راہ میں ہزاروں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ جن سے کفار کو وہ سیاسی اور اقتصادی فوائد حاصل ہوں گے جو انہیں صد ہا ہزار سپاہیوں کو میدان جنگ میں قربان کرنے اور اربہا روپیہ مصارف جنگ برداشت کرنے سے بھی حاصل نہ ہوں۔ ہم کشمیر سے جنگ جو لڑ رہے ہیں تو اس میں مجاہدین کی غرض یہ ہے کہ ڈوگرہ راج کا خاتمہ کیا جاوے اور کشمیر اور جموں اور پونچھ کا ملک جو جولائی ۱۸۱۹ء سے پہلے دارالاسلام تھا پھر وہ رنجیت سنگھ کے تسلط کی وجہ سے دارالحرب بن گیا۔ پھر ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ ڈوگرہ کے تسلط کی وجہ سے اس کی شان دارالحربیت کے اندر مزید اضافہ ہو گیا۔ اسے پھر سے دارالاسلام بنا دیں اور پاکستان کے الحاق سے نہ صرف اس کی پوزیشن کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ کریں بلکہ اس کے ذریعہ پاکستان، افغانستان اور عالم اسلام کے تمام ممالک کو ہندو ازم اور اس کے حلیفوں کے خطرے سے بچاویں۔ ایسے نازک وقت میں اس جنگ کے برخلاف آواز اٹھانا خواہ وہ کتنی ہی دھیمی ہو بڑی بے نصیبی کی دلیل ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمیں خطرہ ہے کہ آسمانی عدالت ہمارے حق میں:

الا لعنة الله على الظلمين الذين يصدون عن سبيل الله

و یبغونها عوجا (هود پ ١٢ ع ٢/٢)

کافر جرم لگا کر ہمیں اور ہمارے فتووں کی پیروی کرنے والوں کو دونوں جہان کی سعادت سے کہیں محروم نہ کر ڈالے۔ پھر سید الاولین و الاخرین علیہ الصلوۃ و السلام کی سفارش ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ ستر مرتبہ بھی ہمیں مواخذہ خداوندی سے نجات نہ دلا سکے۔

وجہ ہفتم۔ ایک مظلوم اور بے بس مسلم قوم کو ایسی حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے جو مطلقاً دہریہ ہو

اس سے مراد وہ مسلم قوم ہے جو کسی وجہ سے ایسے کفار کی غلامی کے شکنجے میں جکڑی جا چکی ہو جو واجب الوجود کی ہستی سے قطعاً منکر اور موجودات عالم کے اندر کی ہر چیز کی تخلیق اور تعمیر اور تدبیر کو نیچر (فطرت) کا کرشمہ سمجھتے ہوں اور اپنے اعمال اور کردار میں اپنے تئیں قطعاً کسی کے سامنے جوابدہ نہ سمجھتے ہوں اور بنی نوع انسان کو اپنی یگانہ حاکمیت اور استبداد مطلق کے تابع رکھنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہوں۔ اگر کوئی اپنی جان کا دشمن ان کی شان الوہیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے چوں و چرا کرے تو اسے زندہ درگور کرنے دیوار کے اندر چنوانے، نذر آتش کرنے، شیر و چیتا کے سامنے ڈلوانے اور اس کے شیر خوار بچوں کو اس کی آنکھ کے سامنے ذبح کرنے سے دریغ نہ کرتے ہوں اور وہ مسلم قوم صدہا سال کی غیر اسلامی حکومت کی غلامی اور مدۃ العمر نسلاً بعد نسل اس کے جبر و تشدد کا تختہ مشق بنے رہنے کی وجہ سے اور نیز اس کے اندر صدیوں تک کسی مامور من اللہ مصلح نہ پیدا ہونے کی بنا پر وہ اپنے تمام اسلامی عقائد کو سوائے ایک نام ہی کے سب کچھ بھول

چکی ہو اور انسانی اخلاق اور بلند پایہ اعمال سے وہ ایسی نا آشنا ہو چکی ہو کہ گائے بیل کے اندر اور اس کے اندر سیرت کے لحاظ سے کچھ فرق نہ رہا ہو۔ ایسی مظلوم اور اسلامی عقائد اور خصائل سے پرلے درجہ کی بیگانہ قوم کی خدائی کا دعوے کرنے والی حکومت کی غلامی اور استبداد سے نجات دلانے کی خاطر جو جنگ لڑی جانے گی وہ قرآن مجید کی زبان پر وقت کا سب سے بڑا جہاد فی سبیل اللہ کہلائے گی۔ اور اس کے اندر لڑنے مرنے والے ان تمام نوازشات اور مبشرات کے مستحق ہوں گے جو قرآن مجید نے مجاہدین ابرار اور شہدا نے صداقت شعار کے لیے مخصوص اور موعود فرمائی ہیں۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کے اندر آپ کو ملے گی۔ اس اجمال کی شرح اگر بیان کرنے کی جرات کی جاوے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ قرآن مجید سارے کا سارا یہاں درج کردیا جاوے۔ ہم اس مضمون کے پڑھنے والوں سے سفارش کرتے ہیں کہ سورہ البقرہ، سورہ آل عمران، سورہ النساء، سورہ المائدہ، سورہ الاعراف، سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ بنی اسرائیل، سورہ طٰہٰ، سورہ الانبیاء، سورہ المومنون، سورہ الشعراء، سورہ النمل، سورہ القصص کا مطالعہ فرماویں۔ مختصر قصہ یوں ہے:۔

سیدنا موسےٰ علیہ السلام اور فرعون کی جنگ

سیدنا یوسف علیہ السلام کی فروخت اس شہر میں ہوئی جہاں ان کے چچیرے دادا بزرگوار سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا ننہیال تھا اور کیا عجب ہے کہ اس شاہی خاندان نے ان کو خریدا ہو جس کی چشم و چراغ ان کی چچیری دادی صاحبہ ہاجرہ علیہا الصلوٰۃ والسلام یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ واللہ اعلم۔

یوسف علیہ السلام نے ہفت سالہ عالمگیر قحط سالی کے زمانہ میں اپنے

بھائیوں کو ان کی اولاد اور احفاد سمیت مصر میں آباد کیا۔ خاندان کے کل افراد کی گنتی اس وقت ستر سے زیادہ نہ تھی۔ ایک مدت تک وہ عزت و آبرو سے بافراغ زندگی کے مالک بنے رہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا آنکھ بند کرنا اور ادھر وہ بادشاہ جو ان کی قدر و قیمت جانتا تھا اس کا مرنا تھا کہ نئے بادشاہ نے اس غیر ملکی قوم کو اپنی سلطنت کے لیے خطرہ جان کر ان کو کمزور اور ذلیل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک رامیس دویم کا جب زمانہ آیا تو چونکہ وہ مطلق دھریہ خالق کائنات کی ہستی کا منکر اور اپنی الوہیت کا داعی تھا۔ جا بجا اس کے بت نصب تھے۔ جن کی پرستش اس کی رعایا پر واجب تھی۔ جو منکر ہو وہ گردن زدنی سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ بنی اسرائیل بھی اس بلا میں گرفتار تھے مگر پھر بھی ابراہیمی مذہب سے ان کا کچھ نہ کچھ لگاؤ تھا۔ فرعون ان کو غیر ملکی اور غیر مذہبی جان کر ان سے سخت نفرت کرتا تھا اور اپنے معتقدین سے زیادہ ان کو اپنی ذات اور اپنی سلطنت کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے وقت کے اس مسلم خطرے کو محو کرنے کے لیے وہ وہ تدبیریں کیں جو ہمارے اس زمانے میں ملک روس کے اندر بالشویک کو مسلم قوم کے نیست و نابود کرنے میں نہ سوجھی ہوں گی۔ ربع صدی پہلے جہاں روسی ترکستان کے اندر ساڑھے پانچ کروڑ مسلم قوم کی آبادی تھی آج وہاں ایک نام لیوا بھی اسلام کا نہ رہا۔ جب سیدنا موسے علیہ السلام بحیثیت ایک پیغمبر کے پہلی مرتبہ فرعون کے دربار میں داخل ہوئے تاکہ اس کو اور اس کی قوم کو اسلام کا پیغام پہنچا دیں اور اس سے اپنی مظلوم مسلم قوم کی آزادی کا مطالبہ کریں تو اس وقت بنی اسرائیل کی مذہبی حالت کہاں تک گر چکی تھی اس کا اندازہ اس گفتگو سے ہو سکتا ہے جو موسی علیہ السلام اور فرعون کے درمیان میں ہوئی۔ پہلی مرتبہ فرعون سیدنا موسے علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو مد نظر رکھ کر اپنے اراکین دولت کو خطاب کرتے ہوئے بولا۔

فقالوا انؤمن لبشرين مثلنا و قومهما لنا عابدين (المومنون پ ۱۸ ع ۳/۳)

ترجمہ:- (کیا ہم ان شخصوں پر جو ہمارے ہی جیسے آدمی ہیں ایمان لاویں؟ حالانکہ ان کی (ساری) قوم ہماری پرستار ہے)- پھر خاص اس مجلس کے اندر ہی بحث و مباحثہ کرتے ہوئے اس نے جو دھمکی موسیٰ علیہ السلام کی ذات خاص کو دی وہ اس مضمون کی تمام الجھنوں کے دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ فرعون نے جب اپنے سوا ایک دوسرے معبود کا نام جو معبود حقیقی ہے، موسےٰ علیہ السلام کی زبان پاک سے پہلی مرتبہ سنا تو وہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس کے تن بدن میں آگ لگی کہ وہ موسےٰ علیہ السلام کو جیل کی دھمکی دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اور برسر دربار بولا کہ او موسےٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو مجھے اپنے عزت اور جلال کی قسم ہے کہ تجھ کو جیل خانہ میں ڈالے بغیر نہ رہوں گا۔ قرآن مجید اس مضمون کو بدیں الفاظ تصدیق کرتا ہے:

لئن اتخذت الها غیری لا جعلنک من المسجونین

ترجمہ:- اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور بالضرور جیل خانہ میں ڈال دوں گا۔ (الشعراء پ ۹ ع ۲/۶) فرعون کی اس دھمکی سے ثابت ہوا کہ موسےٰ علیہ السلام جب فرعون کے دربار میں پہلی مرتبہ پیغام رسالت پہنچانے کو داخل ہوئے تو اس وقت قوم بنی اسرائیل من حیث المجموع فرعون کی پرستار بنائی جا چکی تھی۔ اس بات کی مزید تصدیق و تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرعون کے جادو گروں کے اور موسےٰ علیہ السلام کے درمیان کھلے میدان میں بصورت ایک مناظرہ کے پیش آیا تھا۔ جس میں جادو گر ہار گئے اور انہوں نے نہ دل سے موسےٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور اس کی سزا میں پھانسی پر

چڑھنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مگر خود موسے علیہ السلام کی اپنی قوم میں سے اس واقعہ محیر العقول کو دیکھنے کے بعد سوائے چند نوجوانوں کے کوئی بھی ان کی پیغمبرانہ شان تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا کیونکہ فرعون کا رعب ان پر اس وقت بے حد چھایا ہوا تھا۔ قرآن مجید اس واقعہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے:

فما امن لموسی الا ذریة من قومه علی خوف من فرعون و ملاء هم ان یفتنهم (یونس پ ۱۱ ۱۴/ ۹)

ترجمہ:۔ پس (فرعون اور اس کے جادوگروں کے اتنے بڑے مجمع کے اندر شکست فاش کا یہ محیر العقول منظر دیکھ کر) موسے علیہ السلام پر خود ان کی اپنی قوم کے اندر سے سوائے معدودے چند شخصوں کے کوئی ایمان نہ لایا۔ بہ سبب اس بات کے کہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں فرعون اور خود ان کی اپنی قوم کے لیڈر ان کو کسی مصیبت میں مبتلا نہ کردیں)

مذکورہ بالا آیت سے نیز سورہ الاعراف، سورہ القصص سے اس بات کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط کے اکثر نمائندے قارون سمیت کہ وہ بھی سیدنا موسےٰ علیہ السلام کا حقیقی رشتہ دار تھا، تا آخر دم فرعون اور اس کی استبدادی حکومت کا دم بھرتے رہے۔ موسےٰ علیہ السلام کی بد دعا سے جب قارون ہلاک ہو گیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام کی طرف خصوصیت سے رجوع ہونے لگا۔

موسیٰ علیہ السلام اور قومیت

موسےٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں اپنی والدہ ماجدہ اور ہمشیرہ کے زیر سایہ پرورش پائی۔ فرعون اپنی ملکہ بیگم جو در پردہ ابراہیمی مذہب اختیار کر

چکی تھی کی سفارش پر موسےٰ علیہ السلام کو اپنا متبنّٰے بنانا چاہتا تھا۔ ہوش سنبھالنے پر ان کو اپنی قوم کی مظلومیت کا حال معلوم ہوا۔ جس پر ان کا دن رات دل کڑھتا تھا۔ نجات کی کوئی راہ سوجھ میں نہ آتی تھی۔ خون جگر پی کر رہ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگ جب گہری نیند سو رہے تھے تو انہوں نے شاہی خاندان کے ایک شخص کو ایک اسرائیلی کے ساتھ لڑتے جھگڑتے پایا۔ بعض مفسرین کا بیان ہے کہ یہ اسرائیلی فرعون کی استبدادیت سے تنگ آ کر اپنے ابراہیمی مذہب سے برگشتہ ہو چکا تھا۔ اسرائیلی نے موسےٰ علیہ السلام کو اپنا ہم قوم سمجھ کر فریاد کی کہ وہ اسے اس قبطی سے چھڑا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام جن کا دل اپنی قوم کی مظلومیت سے چھلنی ہو چکا تھا۔ رات کی نیند اور دن کا آرام ان پر حرام رہتا تھا۔ جوش انتقام میں آنکھوں میں خون اترا رہتا تھا۔ وہ اسرائیلی باوجود فرعونی مذہب اختیار کرنے کے ان کی کسی ہمدردی کا مستحق نہ رہا تھا۔ مگر وہ جانتے تھے کہ میری قوم کے عقائد اخلاق اور اعمال کے اندر جو ہمہ گیر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں اور ابراہیمی مذہب سے ان کے اندر جو کچھ بیگانگی نظر آتی ہے اس میں ان کی قوم کا چنداں قصور نہیں ہے۔ یہ سب کچھ فرعون کی غلامی اور اس کے انتہائی استبداد کا نتیجہ ہے۔ اسلامی عقائد اور اعمال کے بُعد یہ سب کچھ ان پر زبردستی ٹھونسا گیا ہے یہ قوم کی اپنی پیدا کردہ اور خود اختیاری چیز نہیں ہے۔ ان سب خرابیوں کی قوم ذمہ دار نہیں ہے۔ اس کا ذمہ دار ہے تو فقط فرعون اور اس کی جابرانہ حکومت۔ موسےٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے چار صدیوں سے ان کی قوم غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور اس میں کوئی ایسا ریفارمر بھی ان کے درمیان پیدا نہ ہوا تھا جو انہیں ابراہیمی مذہب کی طرف متوجہ کرنے کی کماحقہ جرات کر سکتا۔ بہر حال موسےٰ علیہ السلام کو اس اسرائیلی کی فریاد پر باوصف اس کی سب خرابیوں کے قومی غیرت اس طرح دامن

گیر ضمیر ہوئی کہ انھوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے اس زور سے مکا مارا کہ وہیں دم بخود ہو گیا۔ موسےٰ علیہ السلام کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور سمجھے کہ قبطی سزا کا تو ضرور مستحق تھا مگر نہ اتنی کا کہ وہ مر جاتا۔ اس پر بارگاہ لم یازل میں توبہ کی اور وعدہ کیا کہ پھر کبھی ایسے شخص کی حمایت نہ کروں گا جو ابراہیمی مذہب سے روگردان ہو کر آسمانی عدالت کے نزدیک مجرم بن چکا ہو۔ اگرچہ وہ حسب و نسب کے لحاظ سے ان کا کتنا ہی نزدیکی رشتہ دار ہو۔ اپنے وعدہ محکم کے بعد جب دوسرے روز اسی اسرائیلی بھائی کو جس کی حمایت میں گزشتہ روز قبطی کو مار ڈالا تھا، ایک دوسرے قبطی کے ساتھ آپ نے لڑتے جھگڑتے پایا تو اس نے اس امید پر کہ کل کی طرح آپ آج بھی میری مدد کریں گے آپ سے فریاد کی۔ آپ نے بظاہر تو اسرائیلی بھائی کو ملامت کی مگر اپنی قوم کی چار صد سالہ زہرہ گداز مصائب کے زیر اثر آپ کا دل ایسا زخم خوردہ اور پاش پاش ہو چکا تھا کہ اسی جوش میں آپ کو کل کے تمام وعدے جو خداوند تعالیٰ سے کئے تھے نسیاً منسیا ہو گئے۔ اور ارادہ کیا کہ اس قبطی کو بھی چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں۔ اس ملامت سے جو آپ نے اسرائیلی کو کی تھی وہ یہ سمجھا کہ یہ مکا مجھ پر پڑنے والا ہے۔ وہ چلا اٹھا کہ مجھ کو بھی تو اسی طرح جان سے مارنا چاہتا ہے جسطرح کہ تو نے کل ایک قبطی کو مار ڈالا تھا۔ اس پر کل کے واقعہ کا راز طشت از بام ہو گیا اور دربار فرعون میں بالاتفاق موسےٰ علیہ السلام کو جان سے مارنے کا فیصلہ ہو گیا۔ وہ اپنے ایک ہمدرد مسلم قبطی کی خبر سے مصر سے نکل کر مدین کی طرف بھاگ نکلے۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ سورہ القصص پارہ بیسواں رکوع ۱/۴ اور ۲/۵ اور ۳/۶ کے اندر مذکور ہے۔ ہم ان میں سے اتنے حصہ پر جن کا تعلق مسلم قومیت سے ہے قرآن کے اپنے الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں تاکہ وہ مذہبی پیشوا اور روحانی مشائخ جن کو قومیت کے نام سے چڑ ہے اور وہ ہر جہاد فی

سبیل اللہ پر جو قومی اور ملی اغراض کے ماتحت کفار سے کیا جاتا ہے پر قومیت کا الزام لگا کر اس کے وزن کو فرزندان اسلام کی نظر میں ہلکا کر کے جہاد کی بر مقدس تحریک کو ناکام بنانے کا دیدہ دانستہ یا غیر شعوری طور پر باعث بنتے ہیں۔

و دخل المدینة علی حین غفلة من اھلھا. فوجد فیھا رجلین یقتتلان ھذا من شیعته و ھذا من عدوه فاستغاثه الذی من شیعته علی الذی من عدوه فوکزه موسی فقضی علیه قال ھذا من عمل الشیطان انه عدو مضل مبین قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله انه ھو الغفور الرحیم قال رب بما انعمت علی فلن اکون ظھیراً للمجرمین فاصبح فی المدینه خائفاً یترقب فاذاً الذی استنصره بالامس یستصرخه قال له موسی انک لغوی مبین فلما ان اراد ان یبطش بالذی ھو عدو لھما قال یموسے اترید ان تقتلنی کما قتلت نفساً بالامس ان ترید الا ان تکون جباراً فی الارض و ما ترید ان تکون من المصلحین (سورہ القصص پارہ ۲۰ رکوع ۲/۵)

اور موسےٰ علیہ السلام ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب کہ لوگ گھروں میں بے خبر سوئے پڑے تھے۔ تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جن سے ایک تو آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل کا تھا اور دوسرا آپ کی دشمن قوم (فرعونیوں میں سے) تھا۔ تو جو شخص موسےٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا اس نے اس شخص کے مقابلہ میں جو ان کی دشمن قوم سے تھا موسےٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور مدد مانگی۔ تو موسےٰ علیہ السلام نے اس فرعونی کو مکا مارا اور اس کا کام وہیں تمام

کر دیا۔ اس پر آپ بولے یہ اچھا کام نہ ہوا بے شک شیطان (انسان کا) کھلم کھلا دشمن اور غلطی میں ڈالنے والا ہے۔ (موسےٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی جناب میں توبہ کرتے ہوئے ہوئے کہا) اے میرے پروردگار! میں اپنی جان پر بہت ہی ظلم کیا ہے تو مجھ کو معاف کر دے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی غلطی کو معاف کر دیا۔ کیونکہ وہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔ (اس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس نوازش سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے پروردگار سے وعدہ کیا) کہ اے میرے پروردگار! جیسا تو نے (اس غلطی کے معاف کر دینے سے) مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں آئندہ ہر گز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ (رات خیریت سے گزری) اگلے روز علی الصبح ڈرتے ڈرتے شہر میں گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے تو دیکھا وہی شخص جس نے آپ سے کل مدد مانگی تھی آج پھر ان کو پکار رہا ہے۔ اس کی پکار کو سن کر موسےٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی سے کہا کہ تو بڑا ہی غلط کار ہے (آئے دن لوگوں سے لڑائی کرتا ہے)۔ پھر موسےٰ علیہ السلام نے اس (قبطی) کو جو ان کا اور ان سے فریاد کرنے والے اسرائیلی دونوں کا دشمن تھا پکڑنا چاہا تو اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔ تو وہ چلا اٹھا کہ اے موسیٰ! کیا تو میری بھی اسی طرح جان لینا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک شخص کی لی تھی؟ (معلوم ہوتا ہے کہ) تو یہ چاہتا ہے کہ ملک میں سینہ زوری کرتا پھرے اور بھلے مانسوں کی طرح نہ رہے۔

نوٹ: (۱) بعض مفسرین نے مجرمین سے مراد وہ اسرائیلی لئے ہیں جو فرعون کا پرستار بن جانے سے ابراہیمی مذہب سے بیگانہ ہو چکے تھے۔

(۲) تمام مفسرین نے "ھما" ضمیر مجرد صغیہ تثنیہ مذکر غائب کا مرجع موسیٰ علیہ السلام اور اس فریادی اسرائیلی کو قرار دیکر "عدو" سے مراد اس قبطی کو لیا ہے جو اسرائیلی سے جھگڑ رہا تھا۔ جس کی فریادرسی کا حق موسےٰ علیہ السلام نے ادا کیا

تھا۔ ابن عباس صفحہ ۳۰۴ ابن کثیر صفحہ ۳۸۳ جلد سوئم۔ خازن نے اس موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ موسٰے علیہ السلام نے اس دوسرے موقعہ پر بھی جو قبطی پر ہاتھ ڈالنا چاہا تھا وہ محض ان کی قومی غیرت اور ہمدردی کے رو سے تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

و ذالک ان موسیٰ اخذته الغیرة والرقة لاسرائیل فمد یده لیبطش بالقبطی. صفحه ۱۳۹ جلد پنجم

مسلم قوم اور اس کے لیڈروں کے لیے درس عبرت

اگر یہ کہا جاوے کہ قومی غیرت اور حمیت کے جن مظاہرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کا تعلق سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اس زندگی سے ہے جو قبل از نبوت تھی۔ اس لئے وہ ہمارے لیے مشعل راہ نہیں بن سکتے تو ہم کہتے ہیں کہ:

(۱) چونکہ انبیا علیہ السلام بدو فطرت سے ہی خیر اور رشد پر محمول ہوتے ہیں ان سے قبل زمانہ نبوت کے بھی کوئی حرکت ایسی سرزد نہیں ہوتی جو مزاج اسلام کے خلاف موجب عتاب الٰہی ہو۔

(۲) یہ کہ مظاہرات مذکورہ بالا کو اگر ہم آیت وافی الهدایت:

(ولما بلغ اشده واستوی اتینه حکماً و علما و کذالک نجزی المحسنین) (القصص پاره ۲۰ ع ۲/۵)

ترجمہ: اور جب موسٰے اپنی جوانی کو پہنچے اور پورے توانا چاک چوبند ہو گئے تو ہم نے ان کو فہم سلیم اور دانش عطا فرمائی اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں)

کی روشنی میں دیکھیں جس کا معاً بعد موسیٰ علیہ السلام کی قومی غیرت اور حمیت کے ان واقعات کا ذکر ہوا ہے تو ہر قسم کا تردد رفع ہو جاتا ہے اور اس بات کے تسلیم کرنے سے قطعاً چارہ نہیں کہ یہ واقعات اگرچہ زمانہ نبوت سے پہلے کے ہیں مگر پھر بھی پوری دانشمندی اور حکمت و صحیح وجدان قلبی کے نتیجہ ہیں نہ کہ جوانی کے خمار اور اندھے جوش کا (حاشا و کلا)۔

آپ کی نبوت کی زندگی کے واقعات پر نظر کی جائے تو اس مضمون کی تائید میں ہمیں بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ (۱) آپ نے تادم واپسی اپنی نہایت نالائق ناسپاس قوم کا ساتھ دیا ہر حال میں شریک رنج و غم رہے۔ آپ کی طرف سے احسان بالائے احسان اور قوم کی طرف سے ناشکری اور ایذارسانی کے باوجود نہ صرف اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی بلکہ فرعون اور اس کی ساری عسکری قوت کو غرق آب کر کے اسے ان کے تمام تخت و بخت، خزائن اور دفائن کا مالک بنا دیا(۲) آپ نے جب تک اپنی مظلوم برائے نام مسلم قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات نہ دلائی قوم کی کسی اندرونی اصلاحی تحریک پر ہمہ تن ہو کر توجہ نہ فرمائی۔ اگر فرمائی ہوتی تو یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ قوم کو آزادی دلانے کے بعد جب بارگاہ الہ سے کوہ طور پر زندگی کا دستور العمل یعنی تورات لانے کے لیے تشریف لے گئے تو ہنوز وہاں نہ پہنچنے پائے تھے کہ قوم نے آپ کے پیچھے سامری خبیث کے کہنے پر گئو سالہ پرستی شروع کر دی۔ حالانکہ ان کے

و اذ قال موسى لقومه يقوم لم تؤذونني و قد تعلمون اني رسول الله اليكم (الصف) اور يايها الذين آمنوا لاتكونوا كالذين آذوا موسى (احزاب) (۲) فاخرجنهم من جنت و عيون و كنوز و مقام كريم. كذلك و اورثنها بني اسرائيل. (الشعراء)

درمیان ہارون علیہ السلام ایسے ہادی برحق موجود تھے۔ مگر قوم نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور مرنے مارنے پر اتر آئی۔ اس سے کچھ روز پہلے بحیرہ قلزم کو عبور کرنے کے بعد وہ زیادہ دور نہ جانے پائے تھے کہ ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بت پرستی میں ہمہ تن مشغول تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرعون کے زیر سایہ اپنے ابراہیمی مذہب سے اس قدر بیگانہ اور بت پرستی سے کچھ ایسے مانوس ہو چکے تھے کہ اس قوم کو بت پرستی میں مشغول دیکھتے ہی پس و پیش کئے بغیر فوراً موسٰے علیہ السلام سے بولے کہ ہمارے لیے بھی ایسے ہی بت بہم پہنچا دے جیسے کہ اس قوم کے پاس ہیں تاکہ ہم بھی بت پرستی کریں۔ موسٰے علیہ السلام نے انہیں سختی سے ڈانٹا۔ اور خدا کی ان سب نعمتوں کو ایک ایک کر کے یاد دلایا جن کا ذکر قرآن مجید میں اس واقعہ سے کچھ پہلے ہوا ہے۔ برسوں کی قحط سالی کا عذاب، پہلوٹھی کے نرینہ بچوں کا مرنا، باد و باراں کے طوفان، ٹڈیوں کے لشکروں کا آنا اور تمام سبزیوں اور کھیتوں کا تباہ ہو جانا، چم جوؤں کا بدنوں میں بطریق وبا پیدا ہونا، مینڈکوں کا گھر گھر میں گھس جانا، پانیوں کا لہو بن جانا۔ یہ سب عذاب یکے بعد دیگرے فرعون اور اس کی قوم پر تو پوری قوت کے ساتھ اثر انداز ہوتے رہے اور ان کے لیے جینا دوبھر کر دیا۔ مگر بنی اسرائیل ان سب سے موسٰے علیہ السلام کی دعا کی برکت سے محفوظ رہے حالانکہ وہ بھی انہی بستیوں اور شہروں میں رہتے تھے۔ جہاں قبطی رہتے تھے قبطیوں کا کوئی گھر اسرائیلی نوکروں چاکروں سے خالی نہ تھا۔ ادنٰے خدمات کی بجا آوری اسرائیلیوں کے ذمہ تھی جیسے ہندوستان میں یہ خدمتیں شودروں اور اچھوتوں کے ہاتھ سے انجام پاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل فرعون کے زمانے میں وہاں کے اچھوت اور شودر تھے۔ غرض اسرائیلی باوجود اپنی بداخلاقیوں اور مشرکانہ عقائد اور اعمال کے اپنے

نبی کی برکت سے ہر مصیبت سے محفوظ اور مامون رہے۔ بحیرہ قلزم سے صحیح سلامت باہر نکل جانا اور فرعون اور اس کی عسکری قوت کا دریا برد ہو جانا اور فرعونیوں کے خزائن اور دفائن کا مالک بنایا جانا یہ سب موسٰے علیہ السلام کے احسانات میں سے تھے۔ موسٰے علیہ السلام کی موجودگی میں جن کے وہ معجزے دیکھ چکے تھے، اسرائیلیوں کا بت پرستی کی طرف نہ صرف میلان کرنا بلکہ ان ہی کو بت بہم پہنچانے کی درخواست کرنا نہایت ہی تعجب خیز ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ پر یوں روشنی ڈالی ہے:

وَ جاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علے اصنام لهم. قالوا یموسی اجعل لنا الهاً کمالهم الهة. قال انکم قوم تجهلون. ان هولاء متبر ماهم فیه و باطل ما کانوا یعملون. قال اغیرالله ابغیکم الها وهو فضلکم علی العالمین.

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کر دیا تو ان کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا، جو بت پرستی پر جمے بیٹھے تھے۔ (ان کو دیکھ کر وہ اپنے نبی سے) بولے کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا کہ ان بت پرستوں کے پاس معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام (ڈانٹ کر) بولے کہ تم لوگ بڑے ہی جاہل احمق ہو۔ یہ بت پرست لوگ تو جس دین پر ہیں وہ (عنقریب) تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب لغو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا (کیا یہ ممکن ہے کہ) میں اللہ (وحدہ لاشریک) کو چھوڑ کر تمہارے لیے دوسرے معبود بناؤں؟ حالانکہ اس نے تم لوگوں کو سارے اہل جہان پر فضیلت بخشی ہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سیدنا موسٰے علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ابراہیمی دین سے بہت ہی ناآشنا ہو چکے تھے اور بت پرستی کا زہر ان کی رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ ورنہ اتنی جلدی وہ بحیرہ قلزم کی پند و نصیحت کو نہ بھول جاتے جو انہیں موسٰے علیہ السلام نے بت پرستی سے متنفر رہنے کے بارے میں دی تھیں۔ کوہ طور پر جاتے وقت ان کے نقش قدم بھی میلے نہ ہونے پائے تھے کہ پیچھے ہارون علیہ السلام ایسے نبی برحق کی موجودگی میں سامری ایسے شیطان سیرت کے معمولی اشارہ پر انہوں نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی۔ جب ہارون علیہ السلام نے ان کو روکنا چاہا تو بالاتفاق وہ ان کی جان لینے پر آمادہ ہو گئے۔ تفصیل کے لیے دیکھو: (سورہ الاعراف پارہ نہم رکوع ۱۸/۸ اور سورہ طٰہ پارہ ۱۸ رکوع ۱۴/۴ اور سورہ البقرہ پارہ اول رکوع ۶/۶)

بہر حال ان واقعات کے اندر اس بات کے باور کرنے کے کافی شواہد ہیں کہ سیدنا موسٰے علیہ السلام کو قوم کی اندرونی اصلاح کے لیے بہت ہی کم موقعہ ملا۔ آپ کا بیشتر وقت فرعون کے ساتھ جنگ و جدال میں گزرتا رہا اور آپ کو اپنا مشن سنبھالتے ہی اس بات کا یقین ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے عقائد اور اخلاق کے اندر جس قدر خرابیاں پیدا ہو گئیں ہیں وہ ان کی پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ ان پر حکومت کفار نے اپنے سیاسی اغراض کے ماتحت جبراً اور قہراً ٹھونسی ہیں اور یہ سب غیر مسلم قوم کی صدہا سال کی غلامی کا نتیجہ ہیں۔ اور آپ کو اس بات کا بھی ساتھ ہی یقین تھا کہ غلامی کے دور میں کوئی اچھی سے اچھی اصلاحی اسکیم نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکے گی۔ اس لیے آپ نے اپنا سارا وقت اور ساری قوت غلامی کی زنجیروں کے توڑنے پر وقف کر دی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ نے دین ابراہیمی کی طرف قوم کو توجہ نہ دلائی ہو۔ ضرور دلائی ہے لیکن پیش نظر ہمیشہ قوم کی آزادی کا

مسئلہ مقدم رہا۔ اگر آپ حضرات اس سوال پر توجہ فرمائیں گے کہ جب سیدنا موسٰے علیہ السلام کو مدین کے آٹھ سالہ قیام کے بعد مصر کی طرف مراجعت کے دوران نبوت اور رسالت کی عزت سے سرفراز کیا گیا تو کیوں تورات شریف ان پر اسی وقت نازل نہ کی گئی؟ اور اس کے نازل کرنے میں اس وقت تک کا کیوں انتظار کروایا گیا جبکہ دشمن سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل کو حریت کامل کی نعمت سے سرفراز ہو کر کوہ سینا کے دشت و بیابان میں آزادی کا سانس نصیب ہوا یا اس تعطل اور توقف کا سبب اگر ہو سکتا ہے تو فقط یہ کہ کفار کے زیر سایہ اسلامی قانون جاری نہیں ہو سکتا۔ اسلام اپنے قانون کی تنفید کے لیے ایک مستقل وطن اور آزادی کامل کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایک ملک میں بیک وقت دو قانون نہیں چل سکتے۔ دارالکفر کے اندر بسنے والے مسلمان اسلامی قانون کا وہی حصہ جاری کر سکتے ہیں جو کفار کی حکومت اور اس کے قانون کا موید ہو یا اگر موید نہ ہو تو مخالف بھی نہ ہو۔ پہلے کی مثال ہمارے ملک میں جب برطانیہ کا راج تھا، گاؤ کشی ہے۔ چونکہ انگریزی حکومت کو اپنی سپاہ کے واسطے گائے کا گوشت بہم پہنچانا اشد ضروری تھا اور مسلمانوں کے ہاں گائے کا گوشت اور بقر عید کے روز اس کی قربانی ضروری ہے اس لیے گائے کا ذبیحہ ملک میں جاری تھا۔ دوسری بات کی مثال نماز، روزہ اور اذان ہے۔ ان چیزوں سے انگریزی قانون متصادم نہیں تھا اس لئے مسلم قوم ان مذہبی امور کی پابندی کر سکتی تھی۔ مگر کفار کو جزیہ نہ دینا بلکہ ان سے جزیہ وصول کرنا اور نکاح اور وراثت کے معاملات کو اسلامی قاضی اور مسلمان حاکم کے ذریعہ انجام دینا دلوانا، مسلمانوں کے اپنے اسلام کا دیوانی اور فوجداری قانون کا اجراء قطعاً ممنوع تھا۔ یہ کیوں؟ محض اس لیے کہ اسلامی قانون کی یہ باتیں برطانوی قانون کی صریح ضد پر واقع ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کسی شخص کے کسی حکم کی پیروی کرنا دوسرے

شخص کی اجازت پر موقوف ہو تو یہ حقیقت میں اجازت دینے والے کی اطاعت ہے نہ کہ اصل آمر کی۔ اسلام اس قسم کی اطاعت سے اپنے حلقہ بگوشوں کو مندرجہ ذیل فرامین کے ماتحت سختی سے منع کرتا ہے۔

(۱) اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء۰(الاعراف ۸ ع ۱/۸)

ترجمہ:۔ لوگو جو قانون تمہارے اوپر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے (تم فقط اسی کی پیروی کرو)۔ اور اللہ کے سوا دوسرے کارسازوں (قانون سازوں) کی پیروی مت کرو۔

(۲) و ان اطعتموهم انکم لمشرکون (الانعام ۸ ع ۱۴/۱)

ترجمہ:۔ اور اگر تم نے ان کی یعنی کفار و مشرکین کی اطاعت کی اور ان کی رعیت گری اختیار کرلی تو تم مشرک بن جاؤ گے۔

فاعبد اللّٰه مخلصاً له الدین الا للّٰه الدین الخالص (الزمر پارہ ۲۳ ع ۱/۸)

ترجمہ:۔ (خبردار! خالص فرمانبرداری ذات باری تعالے کیلئے مخصوص ہے۔ سو اللہ ہی کے قانون کو ملحوظ رکھ کر اس کی عبادت کرو۔

خلاصہ تحریر

اس لمبے چوڑے بیان سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بقرار ذیل ہیں:

(۱) سیدنا موسےٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی تمام خامیوں اور خرابیوں کا یگانہ سبب غیر مسلم حکومت کی غلامی کو قرار دیا۔

(۲) انہوں نے قوم کے اندر اصلاحی تحریکات جاری کرنے کی جگہ غلامی کی زنجیریں کاٹنے اور اسے حریت کامل سے متمتع کرنے کے کام کو سب کاموں پر مقدم اور ضروری قرار دیا۔

(۳) قوم کی اندورنی اصلاح پر ہمہ تن توجہ اس وقت مبذول فرمائی جب قوم کو آزادی کامل کا سانس لینا نصیب ہوا۔

(۴) فسق و فجور اور بد عملی کی مجسمہ قوم بنی اسرائیل کا آخر دم تک نہ تو ساتھ چھوڑا اور نہ ہی ان سے کٹ کر کوئی علیحدہ جماعت بنائی۔ اپنے ہر احسان کے مقابلے میں قوم کی ہر بدی اور دل آزاری پر صبر کیا۔ ایک مرتبہ جب قوم کو ارض مقدس کی فتح پر آمادہ کرنا چاہا اور قوم نے انکار کر دیا تو اس پر آپ نے اس نالائق قوم سے جدا ہونے کے لیے بارگاہ الٰہ میں درخواست کی جو بالکل نامنظور ہوئی۔ بلکہ آپ کی خواہش کے خلاف الٹا یہ حکم ملا کہ ارض مقدس کا فاتحانہ صورت میں منہ دیکھنا اس قوم پر ان کی سرکشی اور عدول حکمی کی بنا پر چالیس سال حرام کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ کوہ سینا کے دشت و بیابان میں چالیس سال تک بدویوں کی سی پریشان زندگی بسر کریں گے۔ ان ہی نالائقوں کے ساتھ آپ کو نبھنا ہوگا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ پر بدیں الفاظ روشنی ڈالی ہے:۔

قال رب انی لا املک الا نفسی و اخی فافرق بنینا و بین القوم الفسقین ٥ (المائدہ ۸۶/۴)

ترجمہ مع شرح:۔ (ہر چند موسےٰ علیہ السلام نے آزادی دلانے کے بعد اپنی قوم کو عمالقہ سے جنگ کرنے اور ارض مقدس پر قبضہ کرنے پر آمادہ کیا مگر ان کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ جب قوم کی طرف سے ناامید ہو گئے تو آپ نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ اللہ کی جناب میں دعا کی اور) کہا، اے میرے پروردگار اپنی ذات خاص اور اپنے بھائی (ہارون) کے سوا اور کوئی شخص میرے بس کا نہیں۔ پس تو (مہربانی کر کے) ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔ (اللہ تعالےٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت نہ بخشا بلکہ) فرمایا تو یہ فرمایا کہ ارض مقدس کی زمین چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہو گی۔ (اور تم دونوں بھائیوں کو اسی نالائق قوم کے ساتھ رہنا ہو گا)۔ اور تو اس نالائق فاسق قوم کے حال پر افسوس نہ کر (ان کی اولاد سے آئندہ اچھے لوگ پیدا ہوں گے۔ جو تیرے پروگرام کی تکمیل کریں گے)۔

نوٹ:۔ ہارون علیہ السلام اسی سرگردانی کے زمانہ میں خورا پہاڑ پر فوت ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا موسےٰ علیہ السلام جبکہ قوم موآب کے زرخیز علاقہ میں خیمہ زن تھی اور چاہتی تھی کہ دریائے اردن کو عبور کر کے کنعان میں داخل ہو کہ ناگہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو پیغام موت آیا اور اپنی قوم کو یوشع علیہ السلام کے حوالے کر کے اسی زمین میں مدفون ہوئے۔ انہوں نے اپنی مدت العمر دنیا کی نہایت جاہل اکھڑ اور موذی ناشکر گزار قوم کے ساتھ نباہ دی۔

الھم صل علی سیدنا موسیٰ و ھارون

(۵) غلام قوم کی ذہنیت درست کرنے اور غلامی کے جراثیم اس کے رگ و ریشہ سے محو کرنے کے لیے کم از کم چالیس برس کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ وہ بھی اس شرط پر کہ قوم کو موسیٰ علیہ السلام ایسے نہایت باخدا اور بلند اخلاق بزرگ کی صحبت نصیب ہو۔ ساتھ ہی قوم کو یاغستان ایسے آزاد وطن کی ہوا نصیب ہو۔ جب قوم عقائد اخلاق اعمال کے رو سے انتہائی پستی کو پہنچ چکی ہو اور لیڈر بھی اس کے ایسے ہی ہوں جو فسق و فجور میں اس سے بڑھے ہوئے ہوں تو پھر اصلاح کی کیا طمع ہو سکتی ہے؟ تو ایسے حالات میں روحانی پیشواؤں کے فرائض بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ نہایت تدبر اور محنت سے اصلاحی تحریک کو اس صورت میں شروع کرنا چاہیے کہ ان کے اور عوام کے یا ان کے اور برسر اقتدار لیڈروں کے درمیان تصادم نہ ہونے پائے۔

(۶) قوم کی طرف سے سراسر بدسلوکی و احسان فراموشی اور موسٰے علیہ السلام کی طرف سے ہر بدی کے بدلے احسان اور نیکی، موجودہ مسلم قوم کے لیڈروں کو جس مسلک کی صرف راہ نمائی کرتی ہے، وہ بین ہے۔ تکرار کی حاجت نہیں۔

مسلک موسوی کی تقلید

ہمارے مذہبی اور سیاسی لیڈروں پر اس مسلک کی جس پر چل کر سیدنا موسٰے علیہ السلام نے اپنی مظلوم مسلم قوم کو مصر میں چار سو تیس سال کی غلامانہ زندگی بسر کرنے کے بعد آزادی دلائی تھی کی تقلید ازروئے فرمان مندرجہ ذیل واجب ہے:۔

اولائک الذین ھدے اللّٰہ فبھداھم اقتدہ (سورہ الانعام ۷ ع ۱۰/۱۶)

ترجمہ:- (ان سترہ پیغمبروں کی جن کا اوپر ذکر ہوا) ان سب کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست ہدایت کی تھی۔ سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سب کی ہدایت کی اقتدا کر)

(۱) مثلاً بادشاہ بمع تمام رعایا کے کافر ہو۔ اس کے اندر ایک ہی فرد مسلمان ہو۔ حکومت اور ملت دونوں مل کر اس موحد کو برگشتہ کرنا چاہیں اور موت کی بھی دھمکی دیں۔ تو اس وقت اسوہ ابراہیمی کی تقلید اس پر واجب ہے۔

(۲) اگر کسی بوڑھے باپ کا اکلوتا بیٹا ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کے اندر اسے قربان کرنا پڑے تو باپ کو ابراہیمی اسوہ کی اور نوجوان بیٹے کو اسمعیلی اسوہ کی تقلید واجب ہے۔

(۳) تبلیغ اسلام کے اندر مدتوں مصائب جھیلنے اور ہمت نہ ہارنے میں مسلم مبلغین کے لیے نوح علیہ السلام کے نمونہ کی پیروی واجب ہے۔

(۴) اگر امت محمدی میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ شاہانہ اقتدار کا مالک بنا دے تو اس پر واجب ہے کہ سیدنا داؤد اور سلیمان علیہم السلام کی زندگیوں کو اپنے لیے مشعل راہ بناوے اور ان کے طرز عمل سے عبرت حاصل کرے کہ کس طرح اللہ نے ان کو روئے زمین کی قوتوں کا مالک بنایا تھا۔ پھر بھی وہ نہ اترائے اور ان تمام قوتوں کو بجائے اپنی ذاتی تعمیر اور شخصی سربلندی کے اندر استعمال کرنے کے انہوں نے ان تمام خداداد طاقتوں کو بنی نوع انسان کی خدمت میں عدل و انصاف کے قائم کرنے اور ظلم و فساد کے محو کرنے میں استعمال کیا تھا۔

(۵) خدانخواستہ کوئی اللہ کا بندہ عوارض بدنی کے اندر گرفتار ہو جائے حتی کہ گھر کے لوگ بھی اس سے بیزار ہو جائیں تو ان حالات کے اندر سیدنا ایوب علیہ السلام کی اسوہ حسنہ کی تقلید واجب ہے۔

(٦) اگر کوئی شخص بھرپور جوانی کی حالت میں خود نما عورتوں کے پھندے میں پھنس جاوے تو اپنے جذبات پر قابو پانے کے لیے سیدنا یوسف علیہ السلام کے نمونہ حیات کو اپنا راہ نما بنائے۔

(۷) اگر کوئی مسلم قوم کفار کی غلامی میں گرفتار ہو جائے تو اس کے مذہبی اور سیاسی لیڈروں پر واجب ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مسلک کی پیروی کریں۔ قوم کے اندر جتنی روحانی اور اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو چکی ہوں ان سب کو غیر مسلم قوم کی غلامی کا نتیجہ قرار دیا جانا چاہیے اور بجائے اس کے کہ اپنی نہایت مظلوم اور بے بس قوم پر نکتہ چینی کریں اور اصلاحی سکیمیں سوچیں چاہیے کہ اپنی پوری قوت غلامی سے نجات دلانے کے یگانہ مسئلہ پر وقف کر دیں اور جب تک غلامی کا خاتمہ نہ کرلیں کسی اصلاحی سکیم پر ہمہ تن مشغول نہ ہوں۔ اگر وہ اندرونی اصلاح کے مسائل کو مقدم اور آزادی کے مسائل کو مؤخر کریں گے تو غلامی کی زنجیریں زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتی جائیں گی اور کفر کے زیر سایہ کوئی اصلاحی سکیم بار آور نہ ہو سکے گی۔ اپنی محنتوں کے برباد اور بے نتیجہ ثابت ہونے پر خون جگر پینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ اگر تبلیغ و تعلیم ہو تو وہ بھی جہاد آزادی کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہو۔ زراعت ہو، تجارت ہو، شادی بیاہ ہو، غرض ہر کام سے یہی اور فقط یہی ایک چیز مطلوب ہو کہ جہاد آزادی کے واسطے مالی امداد بہم پہنچاوے، اولاد پیدا کر کے جہاد کے واسطے ریکروٹنگ کی کمی کو پورا کیا جاوے اور اس طریقہ سے جو لوگ میدان جنگ میں شہید ہو جاویں ان کی جگہ کو پُر

کروایا جاوے۔ نہ یہ کہ کفار کی نوکری چاکری کو ذریعہ معاش بنا کر آزادی جیسے اہم مسئلہ سے بے پرواہ ہو کر حیوانوں کی طرح کفر کے زیر سایہ زندگی بسر کی جاوے وطن کو دارالامن قرار دے کر غیر مسلم حکومت کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی وفاداری میں ایک دوسرے پر مسابقت حاصل کرنے میں اپنی عمر کو تباہ کیا جاوے۔ اور جب بامتثال مسلک موسوی قوم کو کفر کے اقتدار سے آزادی دلالیں تو اس وقت قوم کے مذہبی اور سیاسی لیڈر ہمہ تن قوم کی اندرونی خامیوں کے دور کرنے اور مسلم حکومت کو زیادہ سے زیادہ پائیدار بنانے پر وقف کردیں اتنی قوت پیدا کریں کہ کفار کا ہر فرد ساتویں کوٹھڑی کے اندر اسلام کے دبدبے سے ہر وقت لرزہ براندام رہے۔

یہ ہیں وہ سبق جو ہمیں سیدنا موسٰے علیہ السلام کی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی قوم کو پورے چار سو تیس سال کی غلامی سے نجات دلائی تھی اور ہر احسان کے عوض میں قوم کی طرف سے ہمیشہ آپ کی دل آزاری اور ایذارسانی ہوتی رہی۔ مگر انہوں نے آخر وقت تک صبر و ثبات سے کام لیا اور ان کے حسن سلوک میں برابر زیادتی ہوتی رہی تادم واپسی اس کے اندر فرق نہ آنے پایا۔ سلام علی موسٰی و ہارون۔

دردمندانہ اپیل

ہم ان ہفت گانہ وجوہات مشروعیت و وجوب جہاد کشمیر کے اوپر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد حکومت پاکستان کے اراکین باتمکین اور پاکستان کے اندر بسنے والی تمام مسلم جماعتوں، مذہبی پیشواؤں اور سیاسی لیڈروں کو اور سرحد آزاد کے مذہبی اور روحانی پیشواؤں کو خاص کر وزیرستان کے لیڈر حاجی الحرمین

الشریفین مرزا علی خاں المعروف بہ فقیر صاحب ایپی کو اور آفریدستان کے حامیان تحریک پٹھانستان اور حکومت افغانستان اور افغانستان کی غیور پبلک کو درخواست کرتے ہیں کہ کیا وہ ازراہ انصاف اور شریعت پروری ہمیں بتا سکتے ہیں کہ وہ ہفت گانہ وجوبات جن میں سے ہر ایک وجہ کے پیدا ہو جانے سے جہاد اور قتال واجب ہو جاتا ہے وہ کون سی وجہ ہے جو جہاد کشمیر کے اندر نہ پائی جاتی ہو؟ پس جب ثابت ہو گیا کہ جہاد کشمیر ان ساتوں وجوبات کا جامع ہے تو اس جہاد کے فی زمانہ ہذا افضل ترین جہاد ہونے میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے؟ اور جو لوگ مال و جان سے اس میں شریک ہیں اور جو خوش قسمت اس کے اندر کفار کے ہاتھ سے مارے جاتے ہیں۔ ان کے افضل ترین مجاہدین اور افضل ترین شہداء ہونے میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے؟

پس جب یہ حال ہے تو ہم افغانستان اور اس کی پبلک کو قبائل آزاد کو خاص کر پاکستان کے نوجوان طبقہ کو درد دل سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جہاد کشمیر کو کامیاب بنانے میں اپنی پوری طاقت سے حصہ لے کر اپنے لیے سعادت دارین کے خزانے جمع کر لیں۔ ایسا وقت پھر ان کو شاید ہی ملے اور اپنے وطن کے سرمایہ داروں کو ترغیب دیتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس اس وقت ہے وہ سب کا سب اس جہاد پر خرچ کر کے اپنی آنے والی نسلوں کو اپنے گھروں کو اپنے ملک کو تمام عالم اسلام کو ہندو ازم کے مہیب خطرے سے بچا لیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ ان کا مال و دولت سب کا سب کفار کے ہاتھ میں اسی طرح نہ چلا جاوے جیسا کہ سلطنت بخارا کے صدیوں کے خزانے بالشویکوں کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ انور پاشا ترکستان (بخارا، خیوہ، فرغانہ) کے ساڑھے پانچ کروڑ مسلمانوں کی جان و مال کو اور ان کے ملک کو بالشویکی سیلاب سے بچانے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ بجا لا رہے

تھے۔ اہل بخارا نے عین وقت ضرورت پر ان کی مالی امداد سے ہاتھ بند کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ بخارا کو اپنی بیوی بچوں کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگنا پڑا وہ کابل میں پہنچے۔ ان کا سات پشتوں کا خزانہ بالشویکوں کے ہاتھ آیا۔ جس کے بل بوتے پر انہوں نے اپنے وجود کو نہ صرف تمام عالم اسلام کے لیے خطرہ ثابت کیا بلکہ گذشتہ جنگ میں جرمن کے تمام اخراجات کی کفالت کر کے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ثابت کر دکھایا۔

بالشویکوں کے ہاتھ سے ترکستان کے ہزارہا مسلمانوں کو گرد و نواح کے ممالک میں جان بچانے کا تو موقع مل گیا تھا۔ مگر پاکستان کے مسلمانوں کو کہیں بھی جائے پناہ نہیں۔ اگر ہندو ازم کے خطرے کے انسداد کے لیے انہوں نے کافی مالی قربانیاں نہ کیں تو ان کو ان کے بخل کی وجہ سے پاکستان کے تمام مسلمانوں کو اسلام سے مرتد ہو کر ہندو مذہب قبول کرنے کے سوا چارہ نہ رہیگا۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے ان مسلم بھائیوں کے حال سے عبرت پکڑیں جو اس وقت ہندوستان کے اندر آباد ہیں۔ ہر روز ہزاروں مارے جا رہے ہیں اور لاکھوں اسلام سے برگشتہ ہونے اور ویدک تہذیب قبول کرنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں۔ ہزاروں عورتیں اور معصوم بچے (مسلم قوم کے) ہندو مذہب اختیار کرنے پر مجبور کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔ محض مسلم ہونے کی بناء پر مال و املاک سے بے دخل کر کے جیلوں میں ڈالے جا رہے ہیں۔

پس جب حال یہ ہے تو ان کو چاہیے کہ پیشتر اس کے کہ ان کی غفلت شعاری کی وجہ سے ان پر ہندو قوم کی طرف سے ایسا خطرہ پیش ہو ان کو پہلے سے اس خطرہ کی مدافعت کے لیے ہمہ تن تیار ہو جانا چاہیے اور ان علمائے کرام اور

لیڈروں کی ہرگز نہیں سننا چاہیے جو جہاد فی سبیل اللہ کی شمولیت کے بارے میں پاکستان کے مسلمانوں کو مانع ہوتے ہیں۔ جہاد کشمیر کے متعلق ان کی موشگافیاں اور اعتراضات دشمن کو وہ فائدہ پہنچاتے ہیں جو وہ اپنی پوری فوجی طاقت سے حاصل کرنے میں ناکام ہو۔ العیاذ باللہ

باب دوئم

مختصر سابقہ تاریخ جہاد کشمیر

چودھویں صدی عیسوی میں ملک کشمیر میں ایک روحانی بزرگ بلبل شاہ نامی گزرے ہیں۔ ان کی حسن توجہ سے وہاں کا غیر مسلم راجہ رنجن شاہ نامی مسلمان ہو گیا اور اپنا نام سلطان صدر الدین رکھا۔ میر شاہ نامی علاقہ سوات (آج کل صوبہ سرحد آزاد) کا ایک با اثر افغان اس کے مشیر کاروں میں تھا۔ سلطان مذکور اور میر شاہ افغان دونوں کی کوشش سے آبادی کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور گردو نواح کی تمام غیر مسلم ریاستیں اسلام کی حلقہ بگوش ہو کر کشمیر کے ساتھ مل گئیں۔ یہ وسیع اور عریض ملک سولہویں صدی تک مقامی بادشاہوں کے قبضہ میں رہا۔ یعقوب شاہ بن یوسف نامی وہ کشمیری نژاد ملکی بادشاہ تھا جس سے ۱۵۵۷ء میں اکبر شاہ مغل نے کشمیر کا ملک لیا۔ ۱۷۵۲ء میں قندہار کے ابدالی افغانوں نے اس پر قبضہ کیا۔ ابدالی (سدوزائی) اور بارک زائی افغانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر جولائی ۱۸۱۹ء تک سارے ملک کشمیر مع اس کے گرد و نواح کی اسلامی طاقتوں پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس وجہ سے اس ملک کی دارالاسلامی شان دارالحرب سے بدل گئی۔ جس کا از سر نو دارالاسلام بنانا مقامی مسلمانوں کی نسبت گردو نواح کے آزاد مسلمانوں پر زیادہ ضروری ہو گیا۔ کیونکہ مقامی مسلمان اس کی دارالاسلامی شان کو برقرار رکھنے کی طاقت اگر رکھتے ہوتے تو سکھ اس پر قابض کیسے ہو سکتے؟

کشمیر اور حضرت سید احمد بریلوی

انیسویں صدی کے ربع اول میں مسلمانوں کی بالعموم اور افغانوں کی

بالخصوص بے اتفاقی سے قریب تھا کہ سکھوں کی فتوحات کی یلغار درہ خیبر سے گزر کر کوہ ہندو کش کی بلند ترین چوٹیوں پہ پہنچ جاتی اور ایک مرتبہ تاریخ ہند پھر راجہ اشوک ۲۷۲ قبل مسیح کی یادگار کو تازہ کرتی۔ بارکزائی قبیلہ کا آخری شیرازہ بند سردار محمد اعظم خاں ۱۸۲۳ء میں مر چکا تھا۔ اس کی موت کے بعد افغانستان چار حصوں میں بٹ گیا۔ مغربی حصہ سدوزائی کے قدیم خاندان کے قبضہ میں تھا۔ قندہار کا صوبہ ان بھائیوں کے قبضہ میں تھا جن کی ماں غلزائی قبیلہ سے تھی۔ غزنی اور کابل ان بھائیوں کے قبضہ میں تھا جن کی والدہ قزلباش قبیلہ سے تھی اور پشاور کا صوبہ سردار یار محمد خان اور سردار سلطان محمد خاں وغیرہ کے قبضہ میں تھا جن کی والدہ شاہی خاندان سے تھی۔ چاروں کے درمیان سخت رقابت اور نہ بجھنے والی دشمنی تھی۔ ہر ایک ان میں مرکز کابل پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس سے پیشتر سدوزائی اور بارکزائی خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر رنجیت سنگھ صوبہ پنجاب، ملتان، ڈیرہ جات، جنوبی وزیرستان، بنوں، کوہاٹ، پشاور، ہزارہ، پکھلی، مظفر آباد، پونچھ، راجوری، بھمبر، کشمیر کی تمام اسلامی ریاستوں پر قابض ہو چکا تھا۔ سکھوں کی یلغار مسلمانوں کی باہمی دشمنی کے زیر اثر ہندو کش سے بھی گذر جاتی اور سارے ترکستان کو دارالاسلام سے دارالحرب بنا دیتی۔ کہ اس درمیان میں خداوند تعالے نے ناگاہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی کو اہل اسلام کی فریادرسی پر آمادہ کیا اور وہ بمع ایک لشکر جرار کے درہ بولان قندہار، غزنی، کابل، جلال آباد، درہ خیبر سے ہوتے ہوئے ۱۸۲۴ء میں بمقام ھنڈ پہنچے پھر پنجتار کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر برابر سات سال سکھوں کے اقتدار کا انسداد کرتے رہے۔ سکھوں کی فتوحات کی رفتار نہ صرف اپنی پیش قدمی سے رک گئی بلکہ پشاور اور یوسف زئی کا اکثر علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر سردار سلطان محمد خاں والی پشاور سکھوں کے مغالطہ میں نہ آجاتا تو

یقیناً سارا ملک ہند زیر تکمیل فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدت مدید سے دارالحرب سے دارالاسلام بن چکا ہوتا اور آج روئے زمین کا نقشہ دوسرا ہوتا جس میں برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس، امریکہ کی سرمایہ داری اور اشتراکیت کے واسطے کوئی نشان نہ پیدا ہونے پاتا۔ روئے زمین کے ملک اسلام کی حلقہ بگوشی پر فخرو ناز کرتے دکھائی دیتے۔ رنجیت سنگھ نے چاہا کہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی سے صوبہ سرحد کا علاقہ دے دلا کر مصالحت کر لے مگر جب اس کی یہ کوشش ناکام ہوئی تو اس نے سردار سلطان محمد خان طلائی کو اپنے ساتھ گانٹھا اور اس کو امید دلائی کہ وہ اپنی فوجی امداد سے اسے تخت کابل دلوا دے گا بشرطیکہ وہ سید احمد اور مجاہدین ہند کے کانٹے کو اس کے راستے سے دور کرے۔ چنانچہ اس نے اول آپ کا کام تمام کرنے کے لیے کھانے میں زہر دلوایا مگر موت واقع نہ ہوئی۔ اس کے بعد ملک کے اندر ایک گہری سازش واسطے قتل عام مجاہدین کے ------ کی ایک ہی رات میں ہزار ہا نفوس تہ تیغ ہوئے۔ وہ جانباز جن کا ثانی بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے دیکھنے میں نہ آیا۔ رنجیت سنگھ کا مقصد تو ایک حد تک پورا ہو گیا یعنی حضرت سید احمد صاحب نے اپنا ہیڈ کوارٹر افغانی علاقہ سے بدل کر کشمیر کا رخ کیا مگر سردار سلطان محمد خان طلائی مذکور کی بے نصیبی کا کیا کہنا جسے دوجہان کی روسیاہی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کیا خوب کہا کسی باخبر نے اس شقی ازلی کے مناسب حال۔

بگاڑا دین کو اپنے کہیں دنیا ہی مل جائے
نہ دین ہی رہا باقی نہ دنیا کے مزے پائے
بڑی دولت ملے اس کو جو ہو اللہ کا عاشق
امید اجر عقبیٰ پر نہ دنیا اس سے چھٹ جائے

رنجیت سنگھ نے سردار سلطان محمد خان کو مخاطب کرتے ہوئے کیا ہی ننگ آور کلمہ کہا:-

"جب تم اپنے پیغمبر کی اولاد سے غداری اور بے وفائی کر سکتے ہو تو مجھے تم پر کیسے بھروسہ ہو سکتا ہے۔"

یہ کہا اور اس کو بمع اہل و عیال کے پشاور جلاوطن کر کے شاہدرہ میں ہمراہ لے جا کر نظر بند کر دیا۔ جہاں اس کی عمر کا بہت حصہ سکھوں کی کاسہ لیسی اور خوشامد گری میں گذرا۔ جب رانی چندا کور نے سراؤں کی شکست کے بعد ایک وفد راجہ گلاب سنگھ اور دیوان دینا ناتھ کی سرپرستی میں ۱۵ فروری ۱۸۴۶ء لارڈ ریڈنگ کے پاس معافی کے لیے بھیجا تو سردار سلطان محمد خان طلائی بھی اس وفد کا ایک ممبر تھا۔ (دیکھو تارخ راجوری صفحہ ۲۸۰) اسے سکھوں کی آخری جنگ جو گجرات میں ماہ فروری ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کے ساتھ ہوئی، سکھوں کے وظیفہ پر غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ امیر دوست محمد خان والئی کابل کے ہمراہ وطن کو لوٹنا نصیب ہوا اور تخت کابل کا ارمان کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہوا۔ اس درمیان میں اس نے شاہ ایران کے ساتھ مل کر امیر دوست محمد خان کے برخلاف ایک انقلابی سازش کی کوشش کی مگر وہ بھی ناکام رہی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً دنیا کا نقشہ بالکل دوسرا ہوتا اور بنی نوع انسان تمام روئے زمین پر خلافت راشدہ کے فیوض و برکات بے پایاں سے مستفیض ہو چکے ہوتے۔

سرداران کابل کی غداری اور سکھ دوستی کی خبر جب گردو نواح میں مشہور ہوئی تو مظفر آباد کے رئیس راجہ سلطان احمد خان اور کشمیر کے سب سے بڑے لیڈرز زبردست خان اور فیض طلب خان اور حبیب اللہ خان نے اپنے اپنے وفد

حضرت سید احمد صاحب کی خدمت میں بھیجے تاکہ آپ کشمیر کے پہاڑوں میں کسی محفوظ جگہ اپنا مستقر قائم کر کے کشمیر، پونچھ، مظفر آباد کاغان، پکھلی، ہزارہ، پنجاب وغیرہ کو سکھوں کی غلامی سے نجات دلادیں۔ آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ جوں ہی آپ کشمیر کے قبسر حدی مقام بالاکوٹ پر پہنچے تو سکھوں کا لشکر مانع ہوا۔ اس میں آپ بمع بہت سے رفقاء کے مئی ۱۸۳۱ء میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خلفائے حضرت سید احمد بریلوی اور جہاد کشمیر کی مقدس تحریک

مگر ان حضرات ملکوتی صفات کی شہادت بالاکوٹ سے جہاد کشمیر کی مقدس تحریک میں کچھ فرق نہ آیا۔ حضرت مولانا ولایت علی شاگرد شاہ شہید مولانا محمد اسماعیل، جنہیں سید صاحب نے ۱۸۲۶ء میں جنوبی ہندوستان میں بیرونی تحریک کی امداد اور برطانوی راج کا تختہ الٹنے پر مامور فرما کر حیدر آباد دکن میں بھیجا تھا، نے حضرت سید احمد کے بعد اندرون ہند کا سارا کام سنبھال لیا۔ بیرون ہند کا کام سید نصیر الدین نامی نے کہ وہ بھی حضرت سید صاحب کے اکابر خلفاء میں سے تھے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس موقع پر یہ جان لینا چاہیے کہ ان دنوں ہند کے دوسرے صوبوں کی نسبت برطانوی طاقت کا مرکز جنوبی ہند کے اندر ہی تھا۔ نیز یہ سید نصیر الدین موصوف جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ان سید نصیر الدین صاحب سے دوسرے ہیں جو حضرت شاہ اسحاق صاحب نبیرہ حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ کے داماد تھے۔ ثانی الذکر وہی سید نصیر الدین صاحب ہیں جنہیں حضرت مولانا ولایت علی صاحب نے دس ہزار سرباز مجاہدین کا لشکر دے کر برطانوی اور سکھوں کے متحدہ عسکری اقدامات کو ۱۸۳۸ء میں روکنے کے لیے پیشتر اس کے کہ انگریز شاہ شجاع الدولہ کو ہمراہ لے کر خاک افغانستان میں داخل ہونے پاتے، قندھار، غزنی،

کابل میں بھیج دیا۔ اور خود عین ان ہی ایام میں جنوبی ہندوستان کے اندر انگریزی اقتدار سے ملک کو نجات دلانے کیلئے بواسطہ نواب مبارز الدولہ انقلابی تحریک کو وسیع پیمانے پر منظم کیا۔ نواب مبارز الدولہ خان نظام حیدر آباد دکن کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ نظام بذات خود انگریزوں کا حلیف تھا اور اس کے چھوٹا بھائی نواب مبارز الدولہ خان عین بھائی کی ضد پر سید صاحب کی انقلابی تحریک کے سب سے بڑے رکن تھے۔ اس تحریک کی بھنک اگر اس وقت ایک ہندو وزیر لالہ چندو لال کے کان میں نہ پڑجاتی تو یقیناً یہ تحریک انگریزی راج کی بیخ کنی کرنے اور ملک کو اجنبی اقتدار سے ابدی نجات دلانے میں ہر گز ناکام نہ رہتی۔ مجاہدین ہند با سر کردگی سید نصیر الدین صاحب قندہار، غزنی، کابل کے ہر محاذ کے چپہ چپہ پر انگریزوں اور سکھوں کی متحدہ طاقت سے لڑے۔ دس ہزار میں سے سوائے سید نصیر الدین کے کوئی زندہ نہ بچا۔ وہ تن تنہا اب پہنچے۔ وہاں کے قاضی القضاہ نے مدرسہ دہلی میں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا تھا انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور ان کو مجاہدین کے مرکز ستھانہ میں پہنچا دیا، جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا آخری حصہ جہاد کشمیر کی حمایت میں ختم کر دیا۔ ڈاکٹر ولیم ہنٹر اور ان ایام کے برطانوی ریذیڈنٹ، مقیم سکندر آباد (حیدر آباد دکن) نے اپنی ایک مبسوط تصنیف میں مذکورہ بالا واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ ریذیڈنٹ کی کتاب میرے پاس موجود نہیں، ورنہ ریذیڈنٹ اور اس کی کتاب دونوں کا نام یہاں درج کر دیتا۔ کتاب مذکورہ ۳۲ روپیہ میں میں نے کلکتہ کے ایک اینٹی قویرین کتب خانہ سے منگوائی تھی۔ سوانح احمدی مصنف مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسیری کے اندر بھی ان واقعات پر قدرے راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی عنایت علی کے ورود ستھانہ تک غالباً ۱۸۴۲ء تک بیرونی تحریک کی زمام مولانا

نصیر الدین اول الذکر کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت سید صاحب کے بعد ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۸۴۳ء تک برابر چھ برس تک مرکز مذکور نے مقامی لیڈروں کے اشتراک عمل کی برکت سے سکھ راج کے قدم کشمیر اور اس کے مضافات، (پونچھ، کڑال، کاغان، پکھلی، ہزارہ، مظفر آباد) میں جمنے نہ دیئے۔ ۱۸۴۲ء حضرت مولانا ولایت علی نے اپنے چھوٹے بھائی عنایت علی کو اس مقدس تحریک کی راہنمائی پر مامور فرمایا اور خود بھی اس جہاد میں برابر شرکت فرماتے رہے تا آنکہ ۱۸۴۷ء میں دونوں بھائیوں کی گرفتاری کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

شرکائے تحریک جہاد کشمیر

جن قبائل اور جن قومی لیڈروں نے اس مقدس تحریک میں حضرت سید احمد صاحب کے خلفاء کا پہلے مولانا نصیر الدین صاحب پھر مولانا ولایت علی اور عنایت علی کا ساتھ دیا، ان ذکر کرنا یہاں اس لیے ضروری ہے تا کہ ان موجودہ نسلوں کو اپنے اسلاف کی روایات کا علم ہو اور وہ موجودہ جہاد کشمیر کے اندر بہ نسبت تمام دوسری مسلم جماعتوں اور قبیلوں کے زیادہ سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں تا کہ جس کام کو ان کے اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ ادھورا چھوڑ گئے تھے، اسے ہر قربانی اور قیمت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عزم راسخ سے کام لیں۔ یہ لوگ بقرار ذیل ہیں:۔

قوم کڑال

یہ بہادر قوم راولپنڈی کی تحصیل مری اور ایبٹ آباد کے درمیان آباد ہے۔ صوبہ سرحد، پشاور کی جنگجو قوموں کے اندر اس کا نام بڑی عزت سے لیا

جاتا ہے۔ مغلیہ خاندان شاہی سے اس کا تعلق ہے۔ (واللہ اعلم) حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور ان کے خلفاء کے زمانہ میں اس قوم کے دو لیڈر تھے۔ ایک کا نام سردار حسن علی خان تھا اس کے بیٹے آزاد خان مرحوم متوفی ۱۹۰۱ء اور اس کے بیٹے رحمت اللہ خان متوفی ۱۹۰۵ء (باپ، بیٹا اور پوتا) نے اس مقدس تحریک کا ساتھ اپنی قوم کڑال سے زیادہ دیا۔ اس کا مرکز دیوال منال تھا۔ دوسرا لیڈر مسمی سید محمد خان موضع ڈبران کا تھا۔ قوم کڑال کی سرکوبی اور اطاعت پذیری کے واسطے دو مرتبہ لاہور سے پے در پے لشکر بھیجے گئے۔ ان حملوں کو قوم نے اپنے لیڈر سردار حسن علی خان کی سرکردگی میں نہ صرف ناکام بنایا بلکہ آخری جنگ جو سمندر نالہ میں ہوئی، میں ان کا لیڈر سردار امر سنگھ مجیٹھیہ بمع تمام لشکر خالصہ کے ایسا مارا گیا کہ لاہور تک اس شکست کی خبر پہنچانے کے لیے کوئی نہ بچا۔

۱۸۴۶ء، ۱۸۴۸ء، ۱۸۴۹ء کے اندر انگریزوں اور سکھوں کی متحدہ قوت کے ساتھ اس کے بعد ۱۸۵۲ء ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۴ء میں ڈھونڈ قوم کے ساتھ مل کر انگریزوں کے برخلاف حضرت سید احمد صاحب کے جانشینوں کی سرپرستی میں اس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ کے ذیل میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کا مختصر حال ڈھونڈ قوم کے حالات کے اندر بیان کیا جائے گا۔

۱۸۶۴ء سے تا اختتام عہد برطانوی تمام سرحدی جنگوں میں اس قوم نے مال و جان کے ساتھ حضرت سید احمد صاحب کے جان نشینوں کے ساتھ مل کر اپنا حق اسلامیت ادا کیا۔ اب کشمیر کے جہاد میں بھی یہ حصہ بطریق سابقین اولین لے رہی ہے۔

ڈھونڈ

ڈھونڈ قوم ڈونگا گلی اور دریائے جہلم کے درمیانی علاقہ میں آباد اور کڑال اور کشمیر کی بلوان شریک ہے۔ اس شریف اور نجیب غیور قوم نے بھی اپنی ہمسایہ قوم کڑال سے سید احمد صاحب کی انقلابی تحریک کے کامیاب بنانے میں کم حصہ نہیں لیا۔ اس قوم کے لیڈر ان دنوں راجہ روح اللہ خان، راجہ سردار خان، سردار مہروی خان ساکن ڈھیری کیالہ، سردار حسن خان ساکن کلابن، سردار قطب الدین خان ساکن مجوہن، سردار دوست محمد خان ساکن بنکٹ وغیرہ تھے، ان کے مذہبی پیشواؤں کا مستقر مقام پلاسی تھا۔ وہ سادات خاندان سے تھے۔ ڈھونڈ قوم بنی عباس کی ایک شاخ ہے۔ ڈھونڈاں سادات کے تین گھرانے تھے۔ افضل شاہی، شار شاہی، اور صادق شاہی، یہ قوم حضرت سید احمد صاحب اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کی سرپرستی میں سکھوں اور سکھوں کے بعد برطانیہ کے خلاف آپ کی مقدس انقلابی تحریک کے کامیاب بنانے میں کڑال قوم کے ساتھ برابر کی حصہ دار رہی۔ لارڈ لارنس ریذیڈنٹ پنجاب مقیم لاہور نے ایبٹ نامی ایک فوجی افسر کو ضلع ہزارہ اور کشمیر کے مسائل سرانجام دینے کے لیے ماہ جون ۱۸۴۷ء میں مقرر کیا۔ اس کے ہمراہ دیوان کرم چند سپہ سالار افواج خالصہ مع ایک جرار لشکر بھیجا گیا۔ ڈھونڈ قوم اس جگرسوزی سے لڑی کہ انگریز اور خالصہ فوج کا ایک بچہ بھی زندہ نہ بچ سکا۔ مورخ انگریزی کینگھم لکھتا ہے۔

"He (Lawrence) read the news that anmu Troops under Diwan Resham Chand had been disagree - fully beaten in the 'Dhundh's Country."

انگریزی فوج ان دنوں وانس اینگیو اور لومیڈٹن کی سرکردگی میں خالصہ لشکر کو گڑھی

خبیب اللہ میں آ کر مل گئی تھی۔

ان دنوں تھانہ مرکز کی طرف سے حافظ عبد الکریم نامی ایک نو مسلم نیپالی اس علاقہ میں اس کام پر تھے۔ ان کے والد وکالت کا امتحان دینے پٹنہ گئے تھے۔ جہاں اس کی خوبی قسمت سے حضرت سید احمد بریلوی موجود تھے۔ ان کو دیکھتے ہی اس پر اسلام کی حقیقت کھل گئی۔ اسلام قبول کیا۔ حضرت نے اسے تبلیغ اسلام اور جہاد کے لیے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے ہاتھ پر ہزاروں بت پرست اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بیٹے حافظ عبد الکریم جیسے تلوار کے دھنی تھے، ویسے ہی میدان ادب کے شاہ سوار تھے۔ مشہور آفاق دیوان، (گلشن ہدایت) ان ہی کا کلام ہے۔ جس کی دعائیہ نظم بڑی ہی دردناک ہے۔ حافظ عبدالکریم مرحوم ۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک میں ڈھونڈ اور کڑال کو لے کر مقام لورا پر حملہ آور ہوئے۔ پھر ۱۸۶۴ء جنگ ابنلا (سرحد آزاد) کے اندر شریک ہوئے۔ اس فوج کا سپہ سالار چیمبر لین نامی تھا۔ جو آپ کے ہاتھ سے ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ ستر سے زیادہ زخم خود حافظ صاحب موصوف نے کھائے زخموں سے چور ہو کر نڈھال گر گئے۔ گرفتار ہو کر پشاور لائے گئے۔ کچھ اچھا ہونے پر پولیس کی حراست سے بھاگ کر مرکز ستھانہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے بیٹے حافظ شریف احمد نامی تھے۔ جن کو نائب السلطنت سردار نصر اللہ خان کابل اور قاضی حاجی عبد الرزاق خان نے شیخ الہند مولانا صاحب محمود الحسن علیہ الرحمۃ کو قبائل آزاد میں ہمراہ لانے پر گذشتہ جنگ عمومی کے دوران ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۸ء میں مامور کیا تھا۔

قوم بھنبھہ

اس جنگی قوم کی دو شاخیں ہیں۔ اول وہ جو کھنار وادی کے اندر آباد

ہے۔ اس کا صدر مقام موضع جبری کاش ہے۔ اس کا سردار ان دنوں شیر احمد خان اور سردار برکت خان تھا۔ دوسری شاخ کا صدر مقام مظفر آباد تھا۔ ان دنوں اس قوم کے سرکردہ سردار زبردست خان والئی مظفر آباد، سردار نجف خان گھوڑی والا، سردار حبیب اللہ خان، سلطان احمد خان، اور سلطان حسین خان پینتیس گاؤں کے مالک تھے۔ ان سرداروں نے حضرت سید احمد صاحب کی رفاقت میں اول رنجیت سنگھ کے خلاف پھر آپ کے بعد آپ کے خلفاء سے مل کر ڈوگرہ راج جموں و کشمیر کے برخلاف مدتوں جنگ جاری رکھی۔ یہ قوم کڑال اور ڈھونڈ قوم کے ساتھ مولانا عنایت علی صاحب کی سرپرستی میں جہاد کر رہی تھی۔ جب کہ لارنس کے مقرر کردہ فوجی افسر لفٹیننٹ دانس انگیو اور لومسڈن مذکور کا گڑھی حبیب اللہ میں ان سے مقابلہ ہوا۔ نجف خان کے نام حضرت سید احمد صاحب کے ایک خط میں بھی ہے۔ حبیب اللہ خان کے بیٹے کو سکھ قید سے چھڑانے کے لیے حضرت صاحب شاہ اسماعیل شہید مامور ہوئے تھے۔

قوم گکھڑ

پہاڑی قبائل کے اندر گکھڑ سب سے زیادہ شجیع اور عقلمند مانی گئی ہے۔ یہ لوگ اپنے تئیں شاہان ایران کی اولاد سے بتاتے ہیں۔ راولپنڈی جہلم کے درمیانی پہاڑی علاقہ میں آباد ہیں۔ ایک وقت میں پونچھ اور کڑال کا علاقہ ان کے ماتحت تھا۔ خان پور ان کا دارالریاست تھا۔ ان دنوں راجہ جہانداد خان ان کا رئیس تھا۔ وہ بہت عمر پا کر ۱۹۰۶ء میں فوت ہوا۔ اس نے اور اس کے بیٹے راجہ علی حیدر خان اور ان کے دوسرے رشتہ دار راجہ شیر احمد خان نے حضرت سید احمد صاحب اور ان کے خلفاء کے ساتھ مل کر سکھوں کے اقتدار کو محو کرنے کے اندر بہت قیمتی

خدمات انجام دیں۔ راجہ جہانداد خان کے نام حضرت سید احمد صاحب نے بزبان عربی ایک خط بھی بھجوایا۔ جو آپ کی سوانح عمری مؤلفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری کے اندر درج ہے۔

جدون

یہ قوم افغانوں کی شاخ ہے۔ اس کا کچھ حصہ دریائے اباسین کے اس پار سرحد آزاد میں اور کچھ حصہ ضلع ہزارہ میں موضع دھمتوڑ، بگرا، رجوئیہ، نواں شہر میں آباد ہے۔ ان کی تین شاخیں منصور، سالار اور حسن زئی کے نام سے یاد ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں ان کے لیڈر بقرار ذیل تھے۔ جنہوں نے حضرت سید احمد صاحب اور ان کے خلفاء کے ساتھ مل کر سکھ اور سکھوں کے بعد ڈوگرا راج کے محو کرنے میں جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا۔

برخوردار سفان، شاہ زمان خان، عطا خان، محمد اکبر خان، یہ قبیلہ تا ایں دم حضرت سید صاحب کے جانشینوں کا غم شریک رہا۔ دریائے اباسین کے اس پار علاقہ میں جمعیت علمائے ہند نے ان کو مسلم لیگ کے برخلاف بھڑکانا چاہا۔ مگر ناکام رہے۔

قوم ترین

یہ قوم بڑی بہادر اور دریائے اباسین کے کنارے تربیلا، کوہ گندگر، ہری پور کے گرد و نواح دیہات میں آباد ہے۔ ان کے لیڈر محمد خان ترین اور بوستان خان کا سارا زمانہ سکھوں کے انسداد میں گزرا۔ وہ دونوں سکھوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس کے بعد اس قوم کا سرکردہ غلام خان ہوا جس نے بمع اپنی

قوم کے حضرت سید احمد صاحب اور ان کے خلفاء کا سکھوں اور انگریزوں کے مقابلہ میں ساتھ دیا۔ ۱۸۴۸ء میں میجر ایبٹ کے ساتھ جنگ کرتا ہوا پکڑا گیا۔ اس کو الہ آباد بھیج دیا گیا جہاں وہ ۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے پھانسی دیا گیا۔

تناول

سنکڑی علاقہ کے تناولیوں کے لیڈر نواب خان نامی نے سید صاحب کے خلفاء کے ساتھ مل کر سکھوں کی قوت کے محو کرنے میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مشوانی قبیلہ کے لیڈر شاہ محمد خان نے بھی بمع اپنی قوم کے اس خدمت کے اندر سرگرم حصہ لیا۔

سادات

سادات کاغان نے ضامن شاہ اور اس کے بیٹے غلام حیدر شاہ ساکناں کوائی (کاغان) سید منور شاہ اور عمران شاہ ساکناں پھگلا (مانسہرہ) بمع اپنے گجر مریدوں کے حضرت سید صاحب اور آپ کے خلفاء کے ساتھ مل کر سکھ حکومت کے استیصال میں سرگرم حصہ لیا۔

متوازی حکومت علےٰ منہاج نبوت

جوں ہی مارچ ۱۸۴۶ء میں کشمیر کا علاقہ پچھتر لاکھ روپیہ کے عوض راجہ گلاب سنگھ ڈوگرا کے حوالہ کیا گیا۔ معاً ادھر مجاہدین ہند کے صدر مرکز بمقام ستھانہ مولانا ولایت علی کی سرپرستی میں ایک تاریخی جرگہ منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ

ہوا کہ کشمیر اور اس کے گرد و نواح کی تمام ریاستیں اور ضلع ہزارہ سکھوں اور ڈوگروں کے وجود سے پاک کر دیا جائے اور اس سارے ملک کو دارالاسلام بنا کر اس میں خلافت راشدہ کا نظام علے منہاج نبوت قائم کیا جائے۔ جاننا چاہیے کہ مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی دونوں بھائی حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔ سید صاحب کی شہادت بالاکوٹ کے موقع پر ہندوستان میں تبلیغ جہاد پر مامور تھے۔ وہاں سے کچھ مدت کے بعد دونوں بھائی مجاہدین کے مرکز ستھانہ میں پہنچ کر سکھوں کے بر خلاف جہاد میں مشغول ہو گئے۔ ان حضرات کی سرپرستی میں ایک متوازی حکومت ماہ اپریل ۱۸۴۶ء میں قائم ہوئی۔ جس کے امیر سید اکبر شاہ جو بذات خود بھی حضرت سید احمد صاحب کے خلیفہ اور معتمد علیہ تھے، امیر مقرر کئے گئے نواب خان تناولی قبائل کا لیڈر اور غلام خان ترین قوم کا لیڈر اس کے وزیر اور مشیر مقرر کئے گئے اور تحریک جہاد کو از سر نو منظم کیا گیا۔

راجہ گلاب سنگھ نے متوازی حکومت کا حال سن کر جدون، ترین، سادات، مشوانی، تناول، کڑال، ڈھونڈ جنہوں نے متوازی حکومت کی تعمیر میں حصہ لیا تھا کی تادیب کے لیے سکھوں کا ایک جرار لشکر دے کر بھیجا اور کڑال کے علاقہ ناڑہ میں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ ڈھونڈ قوم نے برفاقت کڑال قوم سکھوں کے سپہ سالار کو بمع لشکر کے اس طرح قتل کیا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ اور ساتھ ہی ناڑہ قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس فوق العادۃ شجاعت اور بہادری کا سرحدی قبائل اور مرکز ستھانہ پر یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد اس قوم کے اعزاز کی خاطر ستھانہ مرکز سے براہ راست ان کے پاس ضروری پیغام رسانی کے لیے قاصد پہنچا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک جو ستھانہ مرکز کی طرف سے حافظ عبد

الکریم کی سرپرستی میں علاقہ ڈھونڈ اور کڑال کے اشتراک عمل سے چلائی گئی تھی، براہ راست ان کے پاس قاصد بھیجے گئے۔ گیزیٹئر آف ہزارہ کا مصنف مجاہدین ستھانہ کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"They had such their emissaries to its up hinds"

ان تمام قبائل نے جن کا اوپر ذکر ہوا، متوازی حکومت کی سرپرستی میں ہر جگہ بغاوت کر دی۔ سکھ جہاں تھے مارے گے۔ جو بچے وہ راتوں رات بھاگ کر حسن ابدال پہنچے۔ اس تحریک کا رخ پوری تیز رفتاری کے ساتھ کشمیر کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس درمیان میں ناگاہ انگریز بیچ میں کود پڑے اور جو مثال انہوں نے ہالینڈ کی حمایت میں انڈونیشیا کے اندر اسلامی سلطنت کی تخریب کے متعلق ۱۹۴۶ء میں قائم کی ہے وہی مثال انہوں نے پورے ایک سو سال پہلے ۱۸۴۶ء میں کشمیر اور ہزارہ کے متعلق قائم کی۔ اپنی فوجوں کو جیسا کہ پہلے یہاں ہوا لیفٹیننٹ وینس اینگیو اور لومسڈن (Vans Angew Lumsdon) کی سرپرستی میں ۷ جنوری ۱۸۴۷ء میں مظفر آباد کے علاقہ میں بھیج دیا۔ جنہوں نے سکھ فوج کے ساتھ مل کر متوازی حکومت کی فوج کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیا۔ مولانا عنایت علی صاحب نے باامداد کڑال، ڈھونڈ اور متوازی حکومت کی دیگر فوج کے بمقام نملی میرا سکھوں اور انگریزوں کے متحدہ قوت کو شکست دی۔ خاص کر ڈھونڈ اور کڑال قوم نے ماہ اپریل اور مئی ۱۸۴۸ء میں ایبٹ، انڈرسن اور جھنڈا سنگھ کی فوجوں کو وہ ناک چنے چبوائے جو غازیاں ڈھونڈ کی اولاد کے لیے ہمیشہ موجب صد فخر اور عزت رہیں گے۔

جو کام زور سے انجام نہ پا سکا، آخر اسے زر کے زور سے پورا کیا گیا۔

پانی کی طرح زر قبائل کے اندر بہایا گیا۔ جاگیروں کا لالچ دیا گیا۔ سوائے کڑال اور ڈھونڈ کے کوئی ستھانہ مرکز سے وابستہ نہ رہا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مولانا ولایت علی، عنایت علی جو میدان جنگ میں بذات خود شمشیر بکف لڑ رہے تھے نے چاہا کہ رات مرکز ستھانہ کی طرف کوچ کر جائیں اور وہاں پہنچ کر دوبارہ جہاد کی تیاری کریں۔ مگر مذکورہ بالا دونوں انگریزی افسروں نے راستوں کو پہلے سے روک رکھا تھا۔ دونوں صاحب مع ایک لشکر کے گرفتار کر لیے گئے۔ کڑال قوم کے لیڈر سردار حسن علی خان اور پہلوان خان ساتھ تھے انہوں نے مجاہدین کا قیمتی اسلحہ اور سامان اپنی قوم کے سروں پر اٹھوایا مجاہدین میں سے جس قدر حصہ کو اپنے ہمراہ لے جا سکے رات کے اندھیرے میں باریک پگڈنڈیوں سے ہو کر دریا پار ان کے مستقر ستھانہ میں پہنچا دیا۔ مولانا ولایت علی اور عنایت علی کو بمع ان کے رفقاء کے لاہور پہنچایا گیا۔ ریذیڈنٹ میجر لارنس نے ان کی پذیرائی میں بے حد گرم جوشی کا اظہار کیا۔ چند روز مہمان رکھا۔ پھر وہاں سے سرکاری حفاظت کے اندر ان کو پٹنہ پہنچا دیا گیا جو ان کا اصلی وطن تھا۔ کڑال لوگوں پر امن قائم ہو جانے کے بعد مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا منہاج الدین صاحب اور مولوی عبدالرب کو تبلیغ جہاد اور جنگ و جدال کا مرکز سمجھ کر اول الذکر کو ہری پور کے پاس سکندر پور ڈھیری میں اور دوسرے صاحب کو کوٹ نجیب اللہ میں جلاوطن کر دیا۔ مولانا اسماعیل صاحب مرحوم اول الذکر کے بیٹے تھے۔ اللھم اغفر لہم

گذشتہ اور موجودہ جہاد کشمیر میں قدرتی مناسبات

آج سے سوا سو سال پہلے جو جہاد کشمیر شروع ہوا تھا وہ بھی مسلمانوں کو سکھوں اور ڈوگروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے تھا۔ اب یہ جہاد

جو اگست ۱۹۴۷ء میں شروع ہوا ہے وہ بھی ان ہی سابقہ اغراض کے تحت یعنی کہ سکھوں اور ڈوگروں کی غلامی سے فرزندان اسلام کو نجات دلائی جائے۔ اس کی ابتداء بھی حق تعالٰے نے حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے اتباع کے ہاتھوں سے کرائی۔ اور اب اس جہاد کی اساس بھی حضرت سید احمد کے اتباع سے ڈلوائی ہے۔ قدرت کا یہ تصرف جتنا زیادہ محیر العقول ہے، اتنا ہی زیادہ وہ قابل غور اور فکر ہے۔ اس اجمال کی شرح بطریق اختصار یوں ہے:۔

کشمیر کا موجودہ جہاد اور حضرت سید احمد بریلوی کے متبعین، مرکز، مرکز چمرقند علاقہ یاغستان

مسلمانان ہند پر گذشتہ چند سال سے انگریزوں اور ہندوں کے متحدہ پروگرام کے ماتحت جو آزمائشیں اور ابتلائیں یکے بعد دیگرے:

(۱) بصورت متحدہ قومیت ہند

(۲) بصورت قیام رام راج بالمداد دولت جاپان

(۳) بصورت سنٹرل الیکشن

(۴) بصورت پراونشیل الیکشن

(۵) بصورت ریفرنڈم

(۶) بصورت تحریک پٹھانستان

(۷) بصورت مسئلہ الحاق کشمیر

پیش ہوئیں اور ہورہی ہیں، وہ ایسی نہ تھیں اور نہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کے اندر خدانخواستہ مسلم قوم ناکام رہتی تو پھر ان کی ملی ہستی کا نشان براعظم ہند میں باقی رہ سکتا، ہر گز نہیں۔ بلکہ ان کا وجود یقیناً مٹ گیا ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ وہ آج سے پورے ساڑھے چار سو سال پہلے ملک سپین کے اندر بے نام و نشان ہو چکے ہیں اور ہمارے اس عصر میں آج سے پچیس سال قبل ان ہی حالات سے وہ روسی ترکستان کے اندر دوچار ہو چکے ہیں۔ بخارا، خیوہ، فرغانہ، قفقاز کے اندر ساڑھے پانچ کروڑ دیندار مسلمان آباد تھے۔ آج وہاں ایک شخص نام لیوائے اسلام نہیں۔ یہ تو دور کی باتیں ہیں۔ گئے سال مشرقی پنجاب میں ان پر جو واقعات پیش ہوئے ہیں وہ اس کی زندہ شہادت ہیں۔ مشرقی پنجاب میں جہاں کل ایک کروڑ کے قریب مسلمان آباد تھے۔ وہاں آج چراغ لے کر ڈھونڈے سے ان کا ایک فرد ملنا مشکل ہے۔ کیا ان وسیع اور عریض ممالک کے اندر کسی مسلم آبادی یا کسی مسلم فرد کا نشان دکھائی دیتا ہے؟ یا ان میں سے کسی کی بھنک تک سننے میں آتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ کیا قرآن مجید کا مذکورہ ذیل فیصلہ ان میں سے ہر ایک کے اوپر صادق نہیں آتا؟ ضرور آتا ہے اور وہ یہ ہے:-

وکم اھلکنا قبلھم من قرن ۵ ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزاً (مریم ۱۶ ۹/۲)

مسلمانان ہند کی مذکورہ بالا اجتماعی مصائب اور مشکلات کے اندر جس قدر حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ کے اتباع میں خصوصاً مرکز جمر قند نے حصہ لیا اور لے رہا ہے اس پر سے جب کبھی قدرت کا ہاتھ پردہ اٹھائے گا تو پاکستانی ملت اور حکومت کو اس بات کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ مسلمانان ہند کی کسی داخلی جماعت نے ان کے ملی استقلال کے منوانے، دشمنوں کی متحدہ طاقتوں کے

مقابلہ میں اسے ہر موقع پر کامیاب بنوانے میں اس قدر حصہ نہ لیا ہوگا جس قدر کہ حضرت سید بریلوی کے متبعین کے اس گروہ نے جو ہندوستان سے باہر یاغستانی پہاڑوں کے اندر چمر قند نامی ایک کالونی کے اندر نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ یہی گروہ ہے جس کے مبلغین نے برطانوی عہد کے اندر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر بھیس بدلتے ہوئے برعظیم ہند کے طول و عرض کے دورے کئے اور متحدہ قومیت کو عہد حاضر کا سب سے بڑا خطرہ ثابت کر کے اس کی لپیٹ سے مسلمانان ہند کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

(۲) ہندو قوم کے ان منصوبوں کو جو دوران جنگ ۱۹۳۹ء ۱۹۴۶ء وہ جاپانی امداد سے برعظیم ہند کے اندر رام راج قائم کرنے اور مسلم ہستی کے مٹانے یا شدھ کرنے کے متعلق باندھے ہوئے تھی، اپنے خارجی ذرائع سے درہم برہم کرنے میں کامیاب ہونا اس کی منجملہ خدمات میں سے ہے۔

(۳) الیکشن کی مہموں کو خاص کر ریفرنڈم کی بازی کے جیتنے میں جو اس گروہ نے عہد حاضر کا افضل ترین جہاد سمجھ کر حصہ لیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے پاکستان کا ایک پیسہ خرچ کرائے بغیر پٹھانستان کے فتنے کو بتوفیق خداوندی محو کیا۔ یہ اس گروہ حق پژدہ پر خداوند تعالے کی مخصوص نوازش کی دلیل ہے۔

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر
زانعام و فضل او نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

خدانخواستہ اگر پٹھانستان کا فتنہ بھڑک اٹھتا تو یقیناً پاکستان منصہ شہود میں آنے سے پہلے ہی عدم کے پردہ میں ہمیشہ کے لیے گمنام ہو جاتا۔ مشرقی پنجاب میں سکھوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کو جن قیامت نما مصیبت سے دوچار ہونا پڑا ہے اس سے بدرجہا زیادہ پٹھانستان کا فتنہ ان کے لیے نہایت صبر آزما اور مہلک ثابت ہوتا۔ خانہ جنگی کی آگ قبائل آزاد کے ذریعہ بھڑکتی اور سارے پاکستان کو چشم زدن میں بھسم کر دیتی۔ پٹھانستان کے اس فتنہ کی پشت پر چونکہ ہندو قوم کا قارونی سرمایہ اور دولت افغانستان کا قومی رسوخ اور فقیر ایپی کا روحانی اقتدار تھا اور ساتھ ہی اس کے مشرقی پنجاب کی طرف سے سکھ قوم اور سکھ ریاست کا عسکری نظام اس کا معاون و مددگار تھا اور پاکستان کے طول و عرض میں کئی ایسے عناصر تھے جو دن رات پاکستان کی ہلاکت اور اس کے لیڈروں کی تباہی کا تماشا دیکھنے کے لیے ساعت شماری کر رہے تھے۔ اس لیے اس فتنہ کے کامیاب ہونے میں کسی سیاسی مفکر کو شک کرنے کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ روئیداد پٹھانستان کے شائع ہونے پر قارئین کرام کی معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہو جائے گا۔ انشاءاللہ تعالٰے دولت پاکستان کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہونے پایا کہ یہ قیامت نامہ فتنہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کے متبعین کے حسن تدبر اور کوشش سے ھباءً منثوراً ہو گیا۔

بہرحال جب حقیقت حال سے پردہ اٹھے گا تو پاکستان کی حکومت اور اس کی جملہ اسلامی جماعتوں کو خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی ماننا پڑے گا کہ واقعی حضرت سید احمد کے متبعین مرکز چمرقند، سرحد آزاد، علاقہ باجوڑ، مہمند نے ان ساتوں نشان دادہ حوادث کے اندر سب سے زیادہ حصہ لیا اور اپنے فرائض کی انجام دہی کے اندر مسلم لیگ اور حکومت پاکستان پر کسی قسم کا مالی بوجھ نہ ڈالا بلکہ جو کچھ کیا وہ اپنے محدود ذرائع سے کیا۔ الحمدللہ علی ذالک

راجوری

اس ریاست کو راجور بھی کہتے ہیں۔ حضرت سید احمد صاحب بریلوی کا ہم عصر راجہ اس ریاست کا اگر خان بن کرم اللہ خان نامی تھا جو ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۷ء میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد برسراقتدار آیا۔ وہ اور اس کی اولاد سکھ راج کے برخلاف برابر برسرپیکار رہی یہاں تک کہ حضرت سید احمد صاحب ہندوستانی غازیوں کا ایک بڑا لشکر لے کر ہشت نگر میں اسی سکھ قوت کو درہم برہم کرنے اور اس سے اسلامی ممالک کو آزاد کرانے کی خاطر صوبہ سرحد پشاور پہنچے۔ اس درمیان راجہ اگر خان موصوف ۱۸۱۹ء میں سلطان زبردست خان نامی کے پاس جو ان دنوں کشمیر کا سب سے بڑا لیڈر اور مظفر آباد ریاست کا مالک تھا بذات خود امداد کے لیے پہنچا۔ وہ اور اس کا بیٹا مرزا حبیب اللہ خان اور اس کا بھتیجا یوسف خان حضرت سید صاحب کی تحریک کی حمایت میں برابر لڑتے رہے اور سکھوں کے ہاتھوں سے شہید ہوئے۔

اس کے بعد اس کا حقیقی بھائی مرزا رحیم اللہ خان برسراقتدار آیا۔ ان کو اور ان کی اولاد کو غالباً راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ اور اس کے حلیف انگریزوں سے اپریل ۱۸۴۶ء میں لڑنا پڑا۔ جو ایک معنے میں براہ راست حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ کے خلفاء مولانا ولایت علی اور عنایت علی کی تحریک (آزادی کشمیر) کی حمایت تھی۔ جب انگریزوں کی مدد سے ڈوگرہ راج کے پاؤں اکھڑتے اکھڑتے دوبارہ کشمیر میں قائم ہوگئے تو جس طرح میجر لارنس نے سید صاحب کے خلفاء کو گرفتار کروا کر پٹنہ بھجوا دیا تھا اسی طرح اس نے راجہ رحیم اللہ خان کو ریاست راجوری سے نکال کر راقم الحروف کے مسقط الراس وزیر آباد میں اکتوبر ۱۸۴۶ء میں

جلاوطن کر دیا۔ یہ خاندان راجہ فقیر اللہ خان بن رحیم اللہ خان کی سرپرستی میں وزیر آباد کی شاہی عمارت ثمن برج میں متمکن ہوا۔ اور مسلمانوں کی مقامی خدمات میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ ریلوے سٹیشن کے پاس ایک بڑی جامع مسجد جو نظر آتی ہے وہ ان ہی راجہ فقیر اللہ صاحب کی یادگار ہے۔

موجودہ جہاد کشمیر اور خاندان راجوری

راجہ فقیر اللہ خان اور ان کے لائق فرزند راجہ عطا اللہ خان کی دینداری اور خدا پرستی کی روایات اب تک زبان زد خلائق ہیں۔ آج اس خاندان ذی شان کا سب سے بڑا سرپرست راجہ محمد عبداللہ خان ہے۔ جوں ہی ڈوگرہ راج کے برخلاف آواز اٹھی تو راجہ صاحب موصوف اور ان کا تمام خاندان وزیر آباد سے راجوری کی سرحدوں میں بنفس نفیس پہنچا اور وہاں اپنی راجہ برادری کے خورد و کلاں کو دشمن سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا اور شدت سے اس کام میں حصہ لیا۔

جب آزاد کشمیر مسلم سٹیٹ کے جنگی محکمہ کی کسی غلطی سے راجوری میں مسلمانوں کو شکست کے آثار نمایاں ہوئے تو یہ راجہ محمد عبد اللہ خان اور اس کے خاندان کی جان فشانی کا نتیجہ ہے کہ وہ شکست یقینی فتح میں بدل گئی۔ شروع سے اس وقت تک اس جہاد میں اپنی طاقت سے بڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ اگر اس خاندان کا کوئی رقیب اس کی کوششوں پر پردہ ڈالنا چاہے تو حقیقت حال چھپ نہیں سکتی۔ ہماری پرزور سفارش ہے کہ اس خاندان کی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور مناسب وقت آنے پر راجوری کی ریاست اس کے قدیم ورثائے خاندان راجہ رحیم اللہ خان مرحوم کو سپرد کی جائے۔ ٹھیک اسی طرح جیسا کہ نواب قطب الدین خان آف ٹانک ڈیرہ اسماعیل خان، کو اس کے باپ دادا کی ریاست کا

نصف سے زیادہ حصہ جو انگریزوں نے ان کی مجاہدانہ تحریکات کی بنا پر ضبط کر رکھا تھا پاکستان حکومت نے جیسا کہ سننے میں آیا ہے اس کی وفاداری کی بنا پر اسے واپس کر دیا ہے۔

باب سوئم

جہاد کشمیر کے اسباب

جہاد کشمیر کے سیاسی وجوبات پر بہت سے اہل قلم نے روشنی ڈالی ہو گی۔ اس لیے میں ان کو نظر انداز کر کے فقط ان اسباب کا یہاں ذکر کرتا ہوں جنہیں اس مقدس جہاد کی علت العلل قرار دیا جا سکتا ہے اور وہ قوم ڈھونڈ اور کڑال کے اندر قدیم الایام سے ہر کار خیر کے میدان میں گوئے مسابقت لے جانے کا جذبہ ہے۔

کڑال اور ڈھونڈ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں قومیں جو ایک دوسرے کی پڑوسی اور پلوان شریک ہیں قدیم زمانے سے سید احمد شہید کی مقدس انقلابی تحریک کی حامی چلی آ رہی ہیں۔ ان دونوں کے اندر ہر کار خیر کے اندر بالعموم اور جہاد فی سبیل اللہ اور انقلابی تحریکات کے اندر بالخصوص مسابقت کا جذبہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور چونکہ یہ جذبہ زیر فرمان :۔

سارعوا الی مغفرة من ربکم (العمران ۴ ع ۱۴/۵)

دربار لم یازل میں انتہائی مقبولیت کا شرف رکھتا ہے اس لیے اس جذبہ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

جوں ہی اگست ۱۹۴۶ء میں کلکتہ اور کلکتہ کے فوراً بعد بنگال کے مختلف اضلاع بردوان، بیر بھوم وغیرہ میں مسلم کشی اور آسام میں مسلم آزاری

کے زہرہ گداز واقعات شروع ہو گئے اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی پرسان حال معلوم نہ ہوتا تھا کہ ان کی داد خواہی کر سکے تو راقم الحروف نے اس آگ کو بجھانے کے لیے حکومت ہند پر سرحدی دباؤ ڈالنے کی ترکیب سوچی، اور عبد الکریم خان جو سرحد آزاد علاقہ باجوڑ کا رہنے والا، اور بچپن سے میرا رفیق ہے اور میرے تعلق کی وجہ سے تمام قبائل آزاد کے اندر کوہ سیاہ سے لے کر وزیرستان تک اور افغانستان کے اندر کافی اعتبار رکھتا ہے اور مرکز چمرقند کا ذمہ دار رکن بھی ہے۔ اسے میں نے سرحد آزاد میں تبلیغ پر مقرر کیا تاکہ جگہ جگہ سے اس ظلم عظیم کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کرائے اور حکومت ہند پر زور ڈلوائے کہ وہ اس ظلم کا دروازہ بند کرائے۔ نیز اسے یہ ہدایت کی کہ قبائل آزاد کے دورے سے جلد نپٹ کر علاقہ کڑال میں پہنچے اور اس قوم کو میری طرف سے یہ پیغام دے کہ وہ اپنے وطن کے ہندوؤں اور سکھوں کا ایک معتبر وفد گاندھی جی، نہرو اور پٹیل وغیرہم کے پاس بھجوائے کہ وہ ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے ہندوؤں اور سکھوں کو اس مسلم کشی اور مسلم آزاری کی پالیسی سے روکیں اور ان کے کان کھولیں کہ اگر ہندوستان میں مسلم کشی کی یہ تحریک بند نہ ہوئی تو اس کا رد عمل ضرور صوبہ سرحد، پنجاب، بلوچستان اور سندھ وغیرہ میں بھی شروع ہو جائے گا اور کیا عجب کہ جن جن صوبوں کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں ہندو کشی بھی شروع ہو جائے اور پھر معاملات قابو سے باہر ہو جائیں۔

کڑال قوم نے میری اس بات کو دل کے کانوں سے سنا اور فوراً اس پر عمل کیا۔ جس کی صورت انہوں نے یہ کی کہ اپنے ہاں کے معتبر سکھوں کو بلا کر اپنے معروضات ان پر پیش کئے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کی جائز شکایات کو گاندھی جی، نہرو وغیرہم کے کانوں تک پہنچاتے وہ سیدھے

ڈاکٹر خان کے پاس پہنچے اور اس کو کڑالیوں کے برخلاف سخت بھڑکایا۔ یہاں جان لینا چاہیے کہ جیسے کڑال قوم صوبہ سرحد اور پنجاب کی شجاع ترین جنگی قوموں کے اندر شمار کی گئی۔ بے ویسے ہی کڑال کے سکھ تمام صوبہ سرحد کے اضلاع اور راولپنڈی کے اندر اپنے وقت کے بری سنگھ نلوہ مانے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر خان نے کشمیر اور پونچھ کی ڈوگرہ ریاست کے لیے جنوب مغربی دروازہ کا پہرہ قرار دے کر قوم مذکور کو ہر قسم کے اسلحہ کی بہم رسانی کی جملہ سہولتیں بہم پہنچانے اور کڑال کی مسلم آبادی کو نہتا کرنے میں قطعاً دریغ نہیں کیا تھا۔ حفظ امن کی دفعات کے ماتحت کڑالی مسلمانوں کی خانہ تلاشیاں ہوتی تھیں۔ چھری تک ان کے گھروں میں نہ چھوڑی گئی۔

کڑال اور سرکاری فوج

ڈاکٹر خان نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنے ہندو آقاؤں کے زیادہ سے زیادہ مقرب اور اعتباری بننے کی خاطر مذکورد سکھ وفد کو سرکاری امداد کا وعدہ دلایا۔ وفد کا گھر پہنچنا تھا کہ چند روز بعد پیچھے ان کے فوج کا دستہ سکھ سورماؤں کا وہاں پہنچ گیا۔ اگرچہ کڑالی مسلمانوں کے پاس ایک بھی رائفل نہ تھی مگر ایمان کی قوت اور عزم راسخ اور سب سے بڑھ کر غیرت ملی کا سرمایہ ان کے پاس کافی تھا۔ پتھروں کی پناہ لے کر دن کو حملے اور رات کو شبخون کی حکمت عملی نے سرکاری فوج پر ایسا خوف اور رعب طاری کر دیا کہ وہ نقصان کے ساتھ پسپا ہونے بلکہ جھوٹ سچ جوڑ کر واپس چلے جانے پر مجبور ہو گئی۔ سرکاری فوج کی یہ پسپائی بہت عبرت انگیز ثابت ہوئی۔ کڑال علاقہ میں سکھوں کی مشہور قلعہ نما گڑھیاں موشع ملاچ، موڑی پرپین، چک امروٹہ، پیر کوٹ، دستوڑہ، پیل، جادہ، موباڑی، دھڑکاں ناڑہ، تتریلہ،

بھگنوتر ملول، سجکوٹ، لورہ، ڈبران، پسالہ نگری، باغن وغیرہ میں تھیں۔ ان کو اپنی گڑھیوں پر بڑا ناز تھا کہ اسے کوئی طاقت فتح نہیں کر سکے گی۔ سرکاری فوج کا واپس ہونا تھا کہ راتوں رات تمام کے تمام سکھوں نے جو نقد مال اٹھا سکے اٹھا لیا باقی سب چھوڑ کر بھاگ نکلے جب تک کہ وہ سب سے بڑے مستقر راولپنڈی شہر میں نہ پہنچنے پائے راستہ میں کہیں دم نہ لیا۔ قدرت نے ان کے ساتھ اس موقع پر کڑال قوم کے ہاتھوں وہی معاملہ کیا جو مدینہ منورہ کی اسلامی جماعت کے ہاتھ سے یہود کے بیت نضیر قبیلہ کے ساتھ برتا تھا۔ جن کا ذکر سورہ الحشر پارہ ۲۸ میں ہے:۔

ما ظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا و قذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم و اید المؤمنین۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

چونکہ صوبہ سرحد کے تمام اضلاع ہزارہ، مردان، پشاور، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان اور دور و نزدیک کے کوہستان کے کرتا دھرتا کڑال کے یہی سکھ سورما مانے جاتے تھے چنانچہ ان کا گھروں سے نکلنا تھا کہ تمام صوبہ سرحد کے اندر آناً فاناً اس واقعہ کی خبر پہنچ گئی۔ ہر جگہ سے سکھوں نے بھاگنا اور راولپنڈی میں جو پنجاب اور صوبہ سرحد میں ان کا سب سے بڑا مرکز تھا جمع ہونا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر خان نے ہر چند سکھوں کی دلجمعی کی مگر سکھ ایسے حواس باختہ ہو چکے تھے کہ بڑے سے بڑے لیڈر کی ہمت افزائی کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ڈاکٹر خان نے مسٹر سٹین نامی انگریز ڈپٹی کمشنر ایبٹ آباد کو کڑال بھیجا۔ اس نے گیارہ ہزار روپیہ مجموعی جرمانہ قوم پر لگایا اور ان کے چیدہ چیدہ لیڈروں کو اپنے ساتھ لے جا کر ایبٹ آباد جیل میں زیر دفعہ ۱۲۰۔ب اور ۳۰۲۔۳۰۸ بند کر دیا۔ ان میں چند مشہور لیڈروں کے

نام درج ذیل ہیں:-

(۱) سردار محمد سرور خان از اولاد غازی شہید سردار حسن علی خان از موشع دیوال سنال

(۲) سردار شیر محمد خان بمع اپنے دو بیٹوں کے از قریہ دیوال سنال

(۳) سردار عبد اللطیف خان

(۴) سردار محمد اشرف خان جنرل سکریٹری مسلم لیگ کڑال "نارڑہ"

(۵) سردار شیر افضل خان از موضع سجکوٹ

(٦) سردار افضل داد خان نگری

(۷) سردار محمد اسلم خان

کڑال اور سرکاری فوج کے تصادم کے اندر فقط ایک شخص محمد یونس شاہ از اولاد غازی حسین شاہ از موضع نگری پائیں دو چھوٹے چھوٹے بچے یتیم چھوڑ کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوا۔ محمد یونس شاہ شہید ہی اس تحریک کا بانی مبانی تھا۔

تخلیہ وطن کا فائدہ

علاقہ کڑال جس کے حدود بہت دور تک براہ راست ریاست کشمیر سے متصل چلے گئے ہیں، سکھوں کے سیاسی خطرات سے وہ اور کشمیر اس کے اگردو نواح کی ریاستیں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئیں۔ ورنہ مجاہدین اسلام کو جو اس وقت ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر کشمیر کے محاذ پر دشمن کے مقابلہ میں کھڑے تھے اپنی قوت اور وقت کا کافی حصہ اس اندرونی خطرے کے دبانے پر وقف کرنا پڑتا

اور باہر کے دشمن کے ساتھ پورے اطمینان اور انہماک سے نہ لڑ سکتے۔ اقتصادی فائدہ سکھوں کے انخلائے وطن سے یہ ہوا کہ کڑال قوم جو صدیوں سے سکھوں کی اقتصادی غلامی میں جکڑی ہوئی پشت بہ پشت سودی قرضوں کا سود ادا کرتی ہوئی اور ہر قسم کے بیوپار اور تجارت سے محروم چلی آ رہی تھی، اسے اب فرصت پیدا ہو گئی کہ جس قدر چاہے اس سے زیادہ تجارت صنعت و حرفت تعلیم و ٹھیکداری غرض باشرف زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے ہاتھ میں لینے اور ان کے اندر خاطر خواہ ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم.

کڑال قوم کا قابل تقلید ایثار

اس دوران ایبٹ آباد کا ڈپٹی کمشنر اور دوسرے حکام ضلع بہت مرتبہ کڑال میں آئے اور ہندو سکھ قوم کی زمینوں کو آباد کرنے کی انہیں ترغیب دی۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ ان مہاجرین بے پناہ کا حق ہے جو صوبہ بہار سے ہندو مظالم کا شکار ہو کر صوبہ سندھ میں در بدر خاک بسر ہو رہے ہیں۔ یہ ایثار ان کا قابل مثال ہے۔ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری اس قوم کے اندر کہاں سے آ گئی؟ یہ ان پر حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور ان کے خلفاء کرام کی روحانیت کا اثر ہے جو ان کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں نسلاً بعد نسل ملتا چلا آ رہا ہے۔ کیا پاکستان کے کسی خطہ کے اندر ایسی شجاع اور صداقت شعار قوم ملتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

اس قوم کے روابط شروع سے لے کر اب تک حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے ساتھ برابر چلے آ رہے ہیں۔ سرحد آزاد کے

اندر ۱۸۳۱ء سے لے کر اب تک جتنی جنگیں سکھوں اور انگریزوں کے برخلاف لڑی گئی ہیں ان سب کے اندر اس قوم کا برابری کا حصہ چلتا چلا آیا۔ عبدالحمید خان، عبدالرحمان خان، عبدالکریم خان، ساکناں پسالہ اور باغن پھانسی چڑھائے گئے۔ محض اس جرم پر کہ وہ نتھیا گلی کے جنگلوں میں راہ گزرتے گورا سپاہیوں کو جان سے مار کر ان کی بندوقیں مرکز مجاہدین میں سرحد پار پہنچایا کرتے تھے۔ کیا اراکین دولت پاکستان اس عدیم المثال کیریکٹر والی خالص اسلام پرست شجاع قوم کی خداداد قابلیتوں سے اپنی موجودہ مصائب کے اندر استفادہ کرنے کی طرف توجہ نہ کریں گے؟

کڑال اور جہاد کشمیر

کڑال اور ڈھونڈ دونوں ہم جوار قومیں انیسویں صدی سے لے کر اب تک حضرت سید احمد صاحب کی مقدس تحریک کی حمایت میں حصہ لیتی رہیں۔ کڑال قوم حسب روایات سابقہ جہاد کشمیر کے سب سے اگلے مورچوں میں اپنی پڑوسی دوستدار قوم ڈھونڈ کے ساتھ دوش بدوش ڈوگرہ اور سکھ افواج پر قیامت برپا کرتی ہوئی ضرور دیکھی جاتی مگر اسلحہ کی نایابی اور ناداری نے اس غیور قوم کو اس طرح اس جنگ میں حصہ نہ لینے دیا جس طرح کہ ڈھونڈ اور مرکز چمرقند کے مجاہدین کو نصیب ہوا۔ ان کے پاس اسلحہ نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ انگریزی علاقہ میں آباد تھی۔ بخلاف ڈھونڈ کے کہ وہ انگریزی علاقہ کے علاوہ ریاست پونچھ میں زیادہ تر آباد ہیں۔ ریاستوں میں اسلحہ کا ملنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت برطانوی علاقہ کے۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ڈاکٹر خان، وزیر صوبہ سرحد کی ہندو نواز پالیسی نے ان کے پاس جو تھوڑا بہت اسلحہ تھا وہ بھی ان سے چھین لیا۔

سردار عبدالقیوم خان نے جب اس پر پونچھ کے مختلف محاذوں پر ماہ جون اور جولائی ۱۹۴۸ء میں ہندوستانی اور ڈوگرہ فوج کا غیر معمولی زور پڑا راقم الحروف سے اپیل کی کہ میں اسے ایک ہزار نوجوان کڑال قوم سے بہم پہنچاؤں۔ تھری ناٹ تھری کی ۱۲۰۰ رائفل بمع ایک بڑے ذخیرہ کارتوس کے اس کے ہاتھ میں مال غنیمت کے طور پر آئیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کڑال والوں کو مسلح کر کے شریک جہاد کرے مگر یہ اسلحہ میرے رو برو اور میری ضمانت پر دیا جانا تجویز ہو چکا تھا۔ جب میں اس غرض کے لیے کراچی سے پونچھ جا رہا تھا تو راہ میں پولیس نے مجھے روک لیا۔ کڑال کے ایک ہزار نوجوانوں سے پہلا جتھہ دو سو جانبازوں کا عبدالغنی خان قصوری کے ہمراہ کوبالہ پہنچ گیا مگر افسوس میں اپنی گرفتاری کی وجہ سے بروقت نہ پہنچ سکا۔ اس لیے انہیں مسلح کرنے کا کام انجام نہ پا سکا اور بادل نخواستہ ان جانبازوں کو واپس جانا پڑا۔

میجر خورشید انور خان اور کڑال

اگرچہ کڑال قوم اسلحہ نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کشمیر کے کسی مورچہ میں جنگی خدمات انجام نہ دے سکی مگر جوں ہی میجر خورشید انور خان نیشنل گارڈ پاکستان کے افسر، کشمیر والے، مسلم بھائیوں کی غم شریکی اور ہمدردی کا حق ادا کرنے کے لیے ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء ضلع ہزارہ کی حدود میں داخل ہوئے تو وہاں سب سے پہلے جس قوم کو اپنی پذیرائی اور خدمت گزاری کے لیے موجود پایا وہ یہی کڑال قوم تھی۔ افسر مذکور نے ان میں سے تین سربازوں کا انتخاب کیا جو پہاڑی راستوں سے خوب واقف تھے۔ انہیں کوبالہ بھیجا تاکہ وہ ایسا مقام تلاش کریں جو جنگی نقطہ نظر سے نہایت سنگین اور ناقابل تسخیر مورچہ کا کام دے سکے۔ چنانچہ یہ

لوگ گئے اور ڈنہ کوچیلی مقام (Danna Kochli) تجویز کر کے افسر موصوف کو اس سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی۔ افسر موصوف نے ان میں سے دو تجربہ کار جنگی سپاہیوں کو اپنے پاس رکھ لیا اور باقی کو اسلحہ کی کمی کا عذر کر کے شکر گزاری کے ساتھ واپس کر دیا اور انہیں امید دلائی کہ اولین فرصت میں جوں ہی دشمن سے اسلحہ مال غنیمت میں ہاتھ آیا ان کو بلا لیا جائے گا۔ وہ دو جنگی سپاہی جو اس نے اپنی گارڈ کے لیے اپنے پاس رکھ لئے اور جنھوں نے بر اس کمانڈر کے ساتھ مل کر باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیئے جو افسر موصوف کی جگہ اب تک آتے رہے۔ ان کا نام صوبیدار لال خان از موضع ناڑہ اور جمعدار دوست محمد خان از موضع سجکوٹ علاقہ کڑال ہیں۔ کڑال قوم کے وہ لیڈر جنھوں نے افسر موصوف کے ساتھ مل کر جہاد کشمیر کی مقدس تحریک کی بنیاد ڈالنے میں حصہ لیا ان میں سے چند ایک کے نام بقرار ذیل ہیں:-

(۱) سردار زین محمد خان صدر مسلم لیگ کڑال

(۲) سردار محمد اسلم خان نائب صدر

(۳) سردار محمد اشرف خان سیکرٹری

(۴) صوبیدار علی اکبر خان ممبر مال

(۵) صوبیدار علی اکبر خان ثانی از موضع گوزہ

(۶) عالی قدر عزتمند سردار جلال الدین خان مینجر ٹرانسپورٹ کمپنی ایبٹ آباد

(۷) صوبیدار لال محمد از موضع ناڑہ

(۸) جمعدار دوست محمد خان موضع سجکوٹ

(۹) سردار محمد اشرف خان صوبیدار موضع ڈبران

(۱۰) سردار دوست محمد خان از سجکوٹ

(۱۱) سردار مصنف خان از ملول

(۱۲) سردار شیر محمد خان ولد سمندر خان از مارٹھی

(۱۳) سردار علی اکبر خان ولد آزاد خان از موضع لگروتڑ

(۱۴) صوبیدار لال اکبر خان از ڈبران

(۱۵) سردار عبد الرحمان خان از نگری بالا

(۱۶) سردار عبد الخالق خان از اولاد نواب سردار نواب خان

(۱۷) سردار سمندر خان ولد فتح خان از دیوال منال

(۱۸) سردار محمد افضل خان از موضع باگن

(۱۹) سردار محمد سرور خان ولد گلاب خان از اولاد شجیع شہید غازی سردار حسن علی خان از قریہ دیوال منال

(۲۰) سردار میرزا افضل خان از موضع نگری

(۲۱) سردار خان زمان خان ولد انور شیر خان از موضع نگری پائیں

(۲۲) سردار محمد ظہور خان ولد عبد الرحمان خان از موضع ڈبران

(۲۳) سردار عبد اللطیف خان از موضع سجکوٹ

(۲۴) فضائل ہمراہ مولانا محمد سنبھ والوی روحانی ومذہبی لیڈر جمیع افراد قوم کڑال

(۲۵) مولوی عبد القادر خان از قریہ نروانہ

سردار جلال الدین خان سر کردہ قوم کڑال

قوم کڑال کے سیاسی لیڈروں کے اندر جو شخص ایثار اور ولولہ جہاد کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا وہ سردار جلال الدین خان نامی ہے۔ وہ جہاں اپنی قوم کے لیے موجب صد فخر و تحسین ہے وہاں اس کا وجود اسلام کی ہر مقدس تحریک کے لیے سارے اخراجات کا کفیل ہے۔ وہ ضلع ہزارہ کی طرف سے صوبہ سرحد پشاور میں اسمبلی کا ممبر اور ایبٹ آباد میں ٹرانسپورٹ کمپنی کا مینجر تھا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے جب جہاد کشمیر کا مظفر آباد کی طرف آغاز ہوا سردار مذکورہ کی تمام کاریں بسیں لاریاں اور ٹرک دن رات مجاہدین کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ چونکہ وہ اپنی غیور قوم کا سب سے بڑا نمائندہ تھا اس کی شبانہ روز شمولیت جہاد کشمیر کو اگر ساری قوم کی شمولیت کا قائم مقام قرار دیا جائے تو یہ مفکرین سیاسی کے نزدیک انشاء اللہ تعالے خالی از مبالغہ سمجھا جائے گا۔

ڈھونڈ قوم اور جہاد کشمیر

ڈھونڈ قوم ایسی نہ تھی کہ اپنی قدیم ہمسایہ قوم کڑال کے مذکورہ بالا عملیات سے ننگ اور عبرت نہ پکڑتی اور اپنے لیے کوئی ایسی اجتماعی خدمت تجویز کئے بغیر رہتی جو کڑال سے بڑھ کر تمام مسلمانان ہند کے لیے قابل رشک اور قابل تقلید ہوتی اور اس کے فیوض اور برکات سے نہ صرف مسلمانان پونچھ اور کشمیر بلکہ عالم اسلام کا ہر ایک خطہ بہرہ مند ہوتا۔ مسلمانان پاکستان کے ہاں ضرب المثل مانی جاتی۔

اس قوم کے اندر قربانی کا یہ جذبہ کس نے پھونکا؟ اس کا جواب۔

وہی ہے جو کڑال قوم کے اندر ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس قوم کو بھی حضرت سید صاحب کے خلفاء سے صحبت یافتہ ہونے کا شرف حاصل ہوا اور انیسویں صدی میں کڑال قوم کی رفاقت میں حضرت مولانا عنایت علی اور ولایت علی رحمۃ اللہ تعالے کی سرپرستی میں مدتوں سکھوں اور ڈوگروں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

ڈھونڈ قوم کا ایک سرباز نوجوان

ڈھونڈ قوم کا ایک نوجوان گذشتہ جنگ عالمگیر ۱۹۳۹ء - ۱۹۴۶ء کے دوران افریقہ، ایشیاء کے مختلف محاذوں پر جنگی خدمات بجا لانے اور جنگی شعور اور تجربہ حاصل کرنے کا کافی وقت پاتا ہے۔ اسے بیت المقدس میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہاں وہ اپنے وطن (پونچھ اور کشمیر) کی زبوں حالی پر کڑھتا ہے اور اس مقدس گھر میں خدائے قدوس کے حضور گڑگڑاتا ہے اور سجدہ میں پڑ کر مقدس وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ صحیح سلامت وطن کو لوٹے تو جب تک اسے ڈوگرہ راج سے نجات دلا کر دوبارہ دارالاسلام نہ بنا لے گا آرام نہ لے گا۔ کوئی اس کا ساتھ دے یا نہ دے مگر وہ اپنا فرض ادا کئے بغیر نہ رہے گا۔ چنانچہ جب ۱۹۴۶ء میں جنگ کے خاتمہ پر ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے گھر موضع کھیالہ (باغ، پونچھ) میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی خوش قسمتی سے اس کی غیر حاضری میں وطن کے اندر کافی بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ جموں و کشمیر کے علاقہ میں چودہری غلام عباس خان اور حمید اللہ خان اور سردار محمد ابراہیم خان، بیرسٹر سید محمد یوسف شاہ کی جدوجہد کی برکت سے اور میرپور اور پونچھ کے اندر مولانا عبدالحی صاحب محدث اور مولوی گوہر رحمان صاحب اور خاص کر سید علی اصغر شاہ، مولوی محمد بخش صاحب اور پیر

شمشاد شاہ اور مظفر حسین شاہ کی تبلیغی مساعی سے ہر جگہ ڈوگرہ راج کے برخلاف ایک ہمہ گیر شورش برپا ہے۔ یہاں یہ جان لینا چاہیے کہ میرپور اور پونچھ کے مذکورہ بالا مذہبی پیشوا اور سادات مشائخ سب کے سب بہ پشت حضرت سید احمد بریلوی کی مقدس تحریک سے مربوط چلے آتے ہیں۔

اس انقلابی تحریک کو جو پونچھ اور کشمیر میں سیاسی لیڈروں اور مذہبی اور روحانی پیشواؤں کی سرپرستی میں برق رفتار سرعت کے ساتھ پھیل رہی تھی ڈوگرہ راج کی ہندو نواز اور مسلم آزار پالیسی نے پیٹرول کا کام دیا۔ ایک ہی وقت میں مسلم آبادی سے اسلحہ چھین کر اسے دن بدن نہتا اور کمزور اور دوسری طرف ضبط شدہ مسلم اسلحہ اور جدید اسلحہ سے ہندو قوم کو مسلح اور طاقتور بنایا جا رہا تھا۔ نت نئے ٹیکس لگانے کے لیے کوئی میدان تھا تو صرف مسلمان تھے۔ ڈوگرہ، سکھ، راجپوت وغیرہ سب ان جدید ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے۔ مسلم آبادی ڈوگرہ راج کے مظالم سے جاں بلب ہو رہی تھی۔ وہ فریاد کرتی تھی مگر کوئی اس کی فریاد سننے والا نہ تھا۔

مورخہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو برعظیم ہندوستان کی آزادی کا اعلان بیک وقت لندن اور وائسرائے ہند کی شاہی عمارت سے کیا گیا۔ ریاست جموں و کشمیر اور پونچھ کے خاص و عام کو اس اعلان سے یقین ہو گیا کہ برطانوی اقتدار کے ختم ہوتے ہی امرتسر کا معاہدہ ۱۸۴۶ء والا بھی ختم ہو جائے گا۔ جس کی رو سے جموں و کشمیر اور پونچھ وغیرہ کا زرخیز ملک ڈوگرہ راج کے قبضہ میں آیا تھا اور اس طرح تمام قدیم اسلامی علاقہ کو بغیر کسی کی منت سماجت کے اور بغیر ایک قطرہ خون گرانے کے قدرتی طور پر آزاد ہونے اور دوبارہ دارالاسلام بننے کا شرف حاصل ہو جائے گا۔

مگر بد قسمتی سے اس درمیان میں کانگرس کے چوٹی کے لیڈر یکے بعد دیگرے راجہ ہری سنگھ کے پاس پہنچے اور بڑے بڑے سبز باغ دکھا کر اسے ہندوستان سے ملحق ہونے کی ترغیب دی اور اس کے مذہبی تعصب کو مسلم رعایا کے برخلاف جہاں تک ان سے بن پڑا خوب بھڑکایا۔ ادھر مسلمانوں نے جو ملک کی آبادی کا سب سے بڑا عنصر ہیں راجہ سے قدرتی اسباب کی بنا پر پرزور مطالبہ کیا کہ وہ پاکستان سے ملنے کا فوری اعلان کر دے۔ ورنہ انجام اس کا اچھا نہیں ہوگا۔ مگر راجہ مذکور کو مذہبی تعصب اور کانگرس کی طرف سے ہر قسم کی بے دریغ امداد کی امید نے مسلمانوں کے مطالبہ سے متفق نہ ہونے دیا۔

ڈھونڈ نوجوان کی تبلیغات کا خلاصہ

پونچھی نوجوان جس نے بیت المقدس میں خدائے قدوس سے اپنے وطن کو ڈوگرہ راج سے نجات دلانے کا وعدہ کیا تھا جوں ہی سنا کہ اس کی ہمسایہ کڑال قوم مولانا محمد صاحب سنبھالوی اور غازی عبد الکریم خان رکن جمیعت عالیہ مجاہدین ہند مرکز چرقند کے ایما پر زور و شور سے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاریاں کر رہی ہے یہ حمیت افزاء خبر اس کی ایمانی غیرت پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے ملک کا طوفانی دورہ کیا اور مرکزی جگہوں پر جلسے منعقد کئے۔ ہر جلسہ میں پانچ چھ ہزار سے سامعین کی تعداد کم نہ ہوا کرتی تھی۔ اس نے قوم سے جو اپیل کی اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"ایسا قیمتی موقع سو برس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ہمیں بہم پہنچایا ہے۔ اس کی قدر کرو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ اور ہر قیمت پر اپنی غلامی کا خاتمہ کرو اور اپنے اسلاف کی ان روایات کو زندہ کرو جنھوں نے حضرت سید احمد بریلوی اور ان

کے بعد ان کے خلفاء کی سرپرستی میں اپنی ہمسایہ قوم کڑال کے ساتھ مل کر سکھ اور ڈوگرہ راج سے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے مدت مدید تک جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ جاری رکھا۔" سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے پونچھی محب وطن نے حاضرین سے مزید کہا کہ "مسلم قوم کے متعلق انگریز اور ہندو قوم کی پالیسی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ وہ مسلم قوم کو زیادہ سے زیادہ کمزور بنائے اور کمزور رکھے۔ مگر وہ کلیتہً اس قوم کی ہستی کو مٹانا اپنے پولٹیکل اغراض کے منافی سمجھتا تھا۔ ہندوستان کی غیر مسلم اقوام خصوصاً ہندو اور سکھ کے میزان کو درجہ اعتدال پر رکھنے کے لیے مسلم قوم کا زندہ اور باقی رکھنا اگرچہ بصورت ضعف ہی سہی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ برطانیہ کے چلے جانے کے بعد ہندو قوم کے لیے اس بات کی سرے سے ضرورت ہی نہیں کہ وہ مسلم قوم کو زندہ رہنے کا حق دیوے۔ مسلم قوم کے متعلق اس کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک وہ یعنی مسلم قوم میرے پہلو میں زندہ اور سلامت ہے ہندو قوم نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کوئی ترقی کر سکتی ہے۔ مسلم قوم کی موت پر وہ اپنی زندگی کا بقا سمجھتی ہے"۔ اور کہا کہ "ڈوگرہ قوم اور ڈوگرہ راج جوں ہی اپنے آپ کو کسی بالادست طاقت کی مسئولیت سے آزاد سمجھے گا تو اس کا پہلا کام یہی ہو گا کہ اسلام اور اہل اسلام کا نام و نشان اس ملک سے مٹا دے، پھر کوئی دوسرا کام کرے۔ اٹھو اور وقت سے فائدہ اٹھاؤ پیشتر اس کے تم مرو دشمن کو مار ڈالو"۔

پونچھی محب وطن نے اپنی ہمسایہ قوم کڑال کی مورخہ ۲ جنوری ۱۹۴۷ء والی خدمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی قوم کو غیرت دلائی اور کہا "دیکھو کڑال قوم ہم سے زیادہ ان پڑھی اور اسلحہ کی طرف سے بالکل تہی دست ہے۔ بایں ہمہ اس نے برطانوی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسے پسپا کر دکھایا اور

سکھوں ایسی زبردست مسلح قوم کو اپنے وطن سے نکال بھگایا۔ اب جگہ جگہ وہاں جہاد کا چرچہ سننے میں آرہا ہے۔ ڈوگرہ راج سے ہمیں ہرگز مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہم اللہ پر توکل کریں اور اپنے ذہنوں کو بیرونی امداد کی امید سے خالی کر کے محض جہاد فی سبیل اللہ کو شرعی طور پر فریضہ ادا کرنے کی نیت سے ڈوگرہ راج کے برخلاف ہتھیار اٹھائیں تو یقیناً ہماری ہر قسم کی بے سروسامانی کی موجودگی میں اللہ کی غائبانہ امداد ہماری دستگیری کرے گی۔"

ڈوگرہ راج اور ڈھونڈ قوم کا باہمی تصادم

ماہ جون ۱۹۴۷ء سے لے کر ماہ جولائی ۱۹۴۷ء کے آخر تک ڈوگرہ راج کے برخلاف اعلانیہ جلسے ہوتے رہے فیصلہ ہوا کہ اب راجہ کو زمین کا مالیہ نہ دیا جائے۔ ڈوگرہ راج کی طرف سے جلسوں پر پابندیاں لگا دیں گئیں اور ڈوگرہ سپاہیوں کو عام اجازت دی گئی کہ وہ جو چاہیں مسلمانوں کے خلاف کاروائی کریں۔ اس پر تحصیل باغ میں ماہ جولائی ۱۹۴۷ء کے آخر میں باجود ممانعت کے ایک بھاری جلسہ منعقد ہوا۔ پولیس کا دستہ ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر لیڈروں کی گرفتاری کے لیے پہنچا۔ قانون دان حضرات نے اس سر پھرے نوجوان کو بہتیرا سمجھایا کہ وہ اپنے تئیں پولیس کے حوالے کر دے اور راج کے برخلاف ہتھیار نہ اٹھائے اسے تسلی دلائی ہم مفت قانونی چارہ جوئی کریں گے۔ ہم لوگ ان پڑھ ہیں۔ راج کا مقابلہ کرنے سے بالکل عاجز ہیں۔ دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم لوگ قانون کی حدود میں رہ کر اپنے حقوق کا مطالبہ کریں اور راج کے سر نہ چڑھیں۔ ورنہ ڈوگرہ سپاہی ہماری بستیوں کو جلادیں گے۔ ہماری بہو بیٹیوں کی ہمارے گھروں کے اندر گھس کر بے آبروئی کریں گے۔ ہمیں گھر بار چھوڑ کر سوائے بھاگنے اور راولپنڈی اور

جہلم میں پناہ لینے کے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اعتدال پسند پارٹی نے راج کی مخالفت سے باز رکھنے میں کوئی دقیقہ ہمت اور تدبیر کا اٹھا نہ رکھا مگر اس محب وطن اور اس کے ساتھیوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ انہوں نے اپنی زندگی سے گزر جانے کی ٹھان لی اور اپنے قانون دان اعتدال پسند دوستوں کے روبرو حلف اٹھایا کہ وہ زندہ اپنے تئیں ہر گز پولیس کے حوالے نہ کریں گے اور جو وعدہ ہم نے اپنی قوم کو مشرکین سے نجات دلانے اور اپنے محبوب وطن کو دارالاسلام بنانے کے متعلق اپنے رب سے کیا ہے اسے ہر صورت میں پورا کریں گے۔ ہمیں قوم پر نہیں بلکہ خالق تعالے پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ کچھ نہ ہوگا نہ سہی ہمارے اسلاف کی روایات تو زندہ ہو جائیں گی۔ بستی کے سفید ریشوں نے بھی بہتیرا سمجھایا کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ راج کا مقابلہ نہ کرو ورنہ ایسی بگڑے گی کہ بنائے نہ بنے گی۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ ورنہ صدہا بے گناہوں کا خون تمہارے سر چڑھے گا۔ مگر وہ جوان اپنی بات کا دھنی تھا۔ صاحب عزم اور عزیمت تھا۔ وہ حسب و نسب کے لحاظ سے قریش کی شاخ بنی عباس سے تھا۔ اس کو جہاد کی روح اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملی تھی جو حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے خلفاء کے صحبت یافتہ تھے اور ان کی سرپرستی میں مدتوں سکھ اور ڈوگرہ راج کے پھر برطانیہ کے برخلاف انقلابی تحریکات کو شرعی رنگ میں چلاتے رہے۔ وہ جانتا تھا کہ (وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله) کا فرمان باری تعالے ہم مسلمانوں سے کس چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس فرمان کا فرزندان اسلام سے پرزور تقاضا ہے کہ وہ ہر قیمت پر کفار کے سیاسی اقتدار کو محو کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ اسلام کے سیاسی اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

ڈوگرہ پولیس سے تصادم

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس دوران ناگاہ موقع پر مسلح پولیس کا دستہ پہنچ گیا۔ جس نے گرفتاری کا وارنٹ دکھایا۔ وارنٹ کا جواب اس محب وطن نے رائفل کی زبان سے دیا۔ اس کے پاس کل پانچ کارتوس تھے، دو چل گئے، تین مس ہو گئے۔ اس کی فائرنگ سے تین ڈوگرہ سپاہی واصل جہنم ہوئے۔ اس کے دو رفیقوں کے پاس بھی رائفلیں تھیں۔ ایک کے پاس دس اور دوسرے کے پاس تیرہ کارتوس تھے۔ ان کی فائرنگ سے پانچ چھ سپاہی مردار ہوئے۔ پولیس پر اس فائرنگ کا یہ اثر ہوا کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ بندوق کارتوس ہر ایک کے پاس موجود تھے۔ مگر ہمت نہ پڑی کہ انہیں چلا سکیں۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔

ڈوگرہ فوج سے تصادم

فوج کا مستقر نزدیک تھا۔ وہاں سے پانچ سو مسلح سپاہی بغاوت کی اس آگ کو بجھانے کو فوراً دوڑے۔ فدا کاران اسلام کے تین مجاہد بستی والوں کی ملامت سے کہیں روپوش ہو گئے۔ فوج نے ان کو ڈھونڈا مگر نہ پایا۔ غصہ میں آ کر بجائے ان تینوں سر بازوں کے گھروں کو جلانے کے لئے ساری بستی کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگا دی اور دیکھتے دیکھتے اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر جو کچھ سامان قیمتی تھا اسے پہلے لوٹ لیا۔ بستی کے لوگ گھروں کو خالی چھوڑ کر فوج کے پہنچنے سے پہلے بھاگ گئے۔ ورنہ وہ قتل عام سے دریغ نہ کرتے۔ پانچ سو سپاہی کی یہ پلٹن اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس ہوئی اور ان تین غازیوں کی کمین گاہ سے جو سڑک کی بغل میں جھاڑیوں کے اندر تھی کچھ آگے بڑھ گئی تو اس کمین گاہ سے ان رائفلوں سے جو پولیس کے مردہ

سپاہیوں سے ان کے ہاتھ لگی تھیں، ان کی پشت پر اس شدت سے گولہ باری کی کہ پانچ سو سے بمشکل ڈیڑھ سو سپاہی زندہ بچے۔ باقی سب واصل جہنم ہوئے اور جو زندہ بچے وہ حواس باختہ جدھر کو بھاگ سکے بھاگ گئے۔ اس فتح فوق العادۃ سے ان جوانوں کی بہت حوصلہ افزائی ہو گئی۔ مردہ سپاہیوں کی بندوقیں اور ان کے کارتوس جس قدر سنبھال سکے سنبھال لئے۔ دور و نزدیک ان واقعات کی خبر پھیل گئی۔ پونچھ کا اب نقشہ ہی بدل گیا۔ عام خاص یقین ہو گیا کہ ان جوانوں کے ساتھ آسمانی مدد ہے۔ اور یہ کہ شاید عزرائیل علیہ السلام نے ڈوگرہ اور سکھ سپاہیوں کی جانکنی کا محکمہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔

ایک حوصلہ افزاء فال

یہ تاریخی واقعہ تحصیل باغ (ریاست پونچھ) میں مورخہ ۵ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۱۷ رمضان ۱۳۶۶ء بروز سہ شنبہ ظہور میں آیا۔ ان فدا کاران اسلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ جنگ بدر بھی ماہ رمضان کی سترویں تاریخ کو جیتی گئی تھی تو یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور اس واقعہ کو نہ صرف پونچھ اور کشمیر کی بلکہ ساری برعظیم ہند کی فتح پر ایک نیک فال پکڑا۔ کیونکہ حق تعالے نے اس دنیا کے اندر اسلامی فتوحات اور اس کے سیاسی اقتدار کی سربلندی کا پہلا بنیادی پتھر جو رکھوایا تھا وہ جنگ بدر کی فتح کے روز ماہ رمضان کی اسی سترہویں تاریخ اصحاب بدر کے ہاتھ سے رکھوایا تھا۔

مسلمانوں کا قتل عام اور پونچھ کی انقلابی تحریک

پنجاب اور صوبہ سرحد میں جن دنوں خضر حیات خان اور ڈاکٹر خان

کی وزارت تھی۔ جو دونوں ہندو قوم کی نمائندگی میں نہرو اور پٹیل سے بھی پیش پیش تھے۔ ان دونوں کی پالیسی یہ رہی کہ ہندو اور سکھ قوم کو زیادہ سے زیادہ اسلحہ فراہم کرنے کی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں اور ان کے مقابلہ میں اپنی مسلم قوم کو زیادہ سے زیادہ غیر مسلح کر کے کمزور اور ان ہتھا بنایا جائے۔ درمیان میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کی تقسیم ہوئی اور برعظیم ہند پاکستان اور انڈین یونین کی صورت میں بٹ گیا۔ مشرقی پنجاب کے تمام اضلاع اور ریاست ہائے پٹیالہ، نابھہ، کپور تھلہ، فرید کوٹ، جموں و کشمیر کے اندر مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں کے قتل عام نے وہ شدت پکڑی کہ اس کے سامنے چنگیز اور ہلاکو کا ریکارڈ بھی مات ہو گیا۔ راشٹریہ سیوک سنگھ، اکالی دل انڈین یونین کی گورکھا، سکھ، راجپوت پلٹنیں حکومت ہند اور راجہ کشمیر کے ایما پر سارے ملک میں پھیل گئیں اور مسلمانوں کے قتل عام کا وہ بازار گرم کیا جو اب تک دنیا کے کان نے نہ سنا اور نہ دیکھا ہو گا۔ اس تحریک کی عین ضد پر ریاست پونچھ کے اندر اس نوجوان زیر بحث کی سرکردگی میں انقلابی تحریک کا زور بڑھ رہا تھا۔ ۲۶ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۹ شوال ۱۳۶۷ ہجری بروز سہ شنبہ پھر تحصیل باغ میں ایک بھاری جلسہ ہوا۔ جس پر ڈوگرہ فوج نے بے دریغ گولیاں چلائیں۔ جس سے بہت سے آدمی شہید اور مجروح ہوئے۔ دوسرے روز ۲۷ اگست ۱۹۴۷ء اس محب وطن نے اپنی قوم ڈھونڈ سے مجاہدین کا ایک لشکر تیار کر کے باغ کی اس ڈوگرہ فوج پر جس کے ہاتھ تحصیل کی حفاظت کا کام سپرد تھا، حملہ کر دیا۔ جس میں بہت سے افسر اور بے شمار ڈوگرہ فوج غازیوں کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئے۔ اس روز سے گویا پونچھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ ۲۷ اگست ۱۹۴۷ء کی جنگ میں مجاہدین کو ایک فوق العادہ فتح نصیب ہوئی۔ جس کی شہرت نے دور و نزدیک ہر سیاسی مفکر اور فوجی لیڈر کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

صوبہ سرحد اور پنجاب حکومت کے اراکین دولت کوبالہ پہنچے تاکہ اس نوجوان کو دیکھیں۔ کوبالہ مقام میں صوبہ سرحد، پشاور، اور صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ مع دیگر اراکین دولت کے جمع ہوئے تاکہ پونچھ کے اس مجاہد محمود غزنوی ثانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان سب نے اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بڑی ہمت افزائی کی۔ البتہ بعض نے جو ملک کی تقسیم کے انتظار میں قانونی حدود کے اندر محدود رہنے کو قرین مصلحت سمجھتے تھے۔ وہ اپنی رائے پر اڑے رہے۔ باغ کے اس مرد مجاہد کی کاروائی چنداں پسند نہ آئی۔

جہاد کشمیر اور مرکز مجاہدین چمرقند

ریفرنڈم کی مہم شروع ہونے سے کچھ روز پہلے ماہ جون ۱۹۴۷ء کے آخری ایام میں مرکز چمرقند کی نفری راقم الحروف کی ہدایت کے مطابق صوبہ سرحد، پشاور اور آسام میں پھیل چکی تھی تاکہ ریفرنڈم کی جنگ جیتنے میں مسلم لیگ کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائے۔ راقم الحروف بھی اس زمین کے ہموار کرنے میں سرگرمی سے مشغول تھا کہ ناگاہ میرے پاس حاجی محمد یوسف خان نامی جنوبی وزیرستان کے مرکز سے جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مرکز چمرقند کی وزیرستانی شاخ کا خط لے کر پہنچا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندو کانگرس اور افغانستان دونوں مل کر فقیر ایپی کے ہاتھ تحریک پٹھانستان کو کامیاب بنانا چاہتے ہیں اور یہ کہ فقیر ایپی جب تک درہ ملکین کے مسعود قبائل کو ہاتھ میں نہ لے، وہ اس تحریک کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ نیز یہ کہ درہ ملکین علاقہ مسعود کے اندر چمرقند کے مجاہدین نے ۱۹۱۹ء سے لے کر سنہ ۱۹۲۶ء تک برطانوی تحریکات کے انسداد میں کام کیا ہے۔ قبائل مسعود کو انگریزوں کی رعیت گری سے بچایا ہے۔ درہ ملکین کے بہلول زئی قبیلہ جس پر

پٹھانستان تحریک کی کامیابی کا سارا دار و مدار ہے وہ آپ کا بہت عقیدت مند ہے۔ اگر آپ نے یہاں پہنچ کر اس قبیلہ کو فقیر ایپی کے جال میں نہ پھنسنے دیا تو کانگرس، افغانستان، فقیر ایپی، ڈاکٹر خان کی متحدہ کوشش بالکل ناکام رہے گی۔ ورنہ سو فی صدی اس بات کا اندیشہ ہے کہ پاکستان وجود میں آنے سے پہلے ہی عدم کے پردے میں فنا ہو جائے۔ چونکہ صوبہ سرحد میں ان دنوں ہندو کانگرس کی وزارت تھی اور برطانوی عہد کا پورا خاتمہ نہیں ہوا تھا اور مجھ پر سرحد آزاد کی ۲۷ سالہ اینٹی برٹش سرگرمیوں کے علاوہ پنجاب کا نسپریسی کا ایک مقدمہ بھی تھا۔ اس لئے میں اجمیر کا ملنگ بن کر ماہ جولائی ۴۷ء میں برطانوی حدود میں داخل ہوا اور مقامی دوستوں کی مدد سے بخیریت جنوبی وزیرستان سرحد آزاد میں پہنچ گیا۔ مجھ سے چند روز پہلے جنوبی وزیرستان کے مشہور قبائل (بہلول زئی، شمن خیل، منزئی) کے اندر جمیعت علمائے ہند کے ایک بڑا وفد نے اینٹی پاکستان کی دوسری جماعتوں کے کارندوں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ اور اس کے ارا کین خصوصاً قائد اعظم کے بر خلاف وہ پروپیگنڈا کیا جس کے زہریلے اثر کا تریاق شاید افلاطون حکیم کا عقل و فکر بھی تجویز نہ کر سکے۔ اور ہونے والے پاکستان اور اس کے بانی کو اپنے وقت کا انگلستان اور جارج ششم کا قائم مقام قرار دے کر اس کی بیخ کنی کی وقت کا سب سے افضل جہاد فی سبیل اللہ کا تصور جاہل قبائل کے دل و دماغ پر بٹھایا گیا۔ پاکستان کے ساتھ اللہ تعالٰے کی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیبی تائید تھی کہ اس نے حضرت سید احمد بریلوی کی مقدس انقلابی تحریک کے اس ادنی ترین خادم کو کانگرسی وزارت کے ہاتھ سے بچا کر صحیح سلامت مقام مطلوب پر بروقت پہنچا دیا۔ ذرائع موثقہ سے جو معلومات میں وزیرستان سے حاصل کر سکا ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کانگرس نے ایک ارب روپیہ کی منظوری سرحدی گاندھی عبدالغفار خان اور ڈاکٹر

خان کو دی تھی کہ ریفرنڈم کی مہم بحق پاکستان انجام پانے کی صورت میں فقیر ایپی کی سرپرستی میں قبائل آزاد کو پاکستان پر حملہ کرنے پر آمادہ کریں اور اس بارے میں افغانستان کی ہمدردی جن شرائط پر ہو حاصل کریں۔ ایک ارب روپیہ میں سے ساڑھے اکتیس کروڑ روپیہ افغانستان کو اور ساڑھے اکتیس کروڑ روپیہ فقیر ایپی کو، عبدالغفار نے کابل میں اور اس کے بیٹے عبدالغنی خان نے فقیر ایپی کے مستقر پر گردیگ میں کل ۳۵ کروڑ روپیہ پہنچایا تاکہ وہ قبائل کو منظم اور مسلح کرنے کی مشکلات کو حل کر سکیں۔ حق تعالے نے پاکستان کا ایک پیسہ خرچ کرائے بغیر اس قیامت نما تحریک کو محو کرنے میں راقم الحروف کو موفق اور کامیاب فرمایا۔ الحمد للہ علی ذالک

پٹھانستان کی روئیداد کا مسودہ بہلول زئی کے مشہور لیڈر لفٹیننٹ گیدین خان جو درہ ملکیں میں جمعیت عالیہ مجاہدین چمر قند کا ایک ذی اثر نمائندہ تھا کے پاس تھا۔ جوں ہی وہ دستیاب ہو گیا اسے چھپوا کر شائع کر دیا جائے گا تاکہ معلوم ہو کہ پاکستان کی مخالف مسلم جماعتوں کو کس طرح ہندو سرمایہ نے خرید رکھا تھا۔ ماہ جون ۱۹۴۸ء میں فقیر ایپی کے تین خط بنام نہرو، انسپکٹر جنرل پولیس مہر اور عریف خان نائب سالار افغانستان مقیم سفارت خانہ افغانستان دہلی پکڑے گئے۔ جن کی شناخت وہاں کے محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی نے کراچی میں مجھ سے کرائی۔ جب کہ میں وہاں قاسم رضوی کے وفد کو ملنے گیا تھا۔ دشمنوں کی ان تیاریوں کو اور علمائے وقت کے جہاد کے بر خلاف فتوے صادر کرنے کے مناظر کو پہلو بہ پہلو دیکھ کر مسلم قوم کے مستقبل کو نہایت خطرناک دور میں پایا تھا۔

عبدالغنی خان قصوری آسام (سلہٹ) کو وزیرستان کی طرف چلنے سے پہلے روانہ کر چکا تھا تاکہ وہاں کے مقامی لوگوں سے مل کر ریفرنڈم کی مہم کے

کامیاب بنانے میں مرکز چمرقند کا حصہ ادا کرے۔ وہاں کی پرو پاکستان جماعتوں اور وزارت بنگال کا اس بات پر اتفاق تھا کہ اگر مرکز چمرقند کی یہ امداد مسلم لیگ کو بروقت نہ پہنچتی تو مسلم لیگ کی کامیابی مشکوک تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آسام میں ان دنوں کانگرس کی وزارت تھی۔ پولیس کا افسر مسلم لیگ کے ووٹروں کو ووٹ دینے سے روکے ہوئے تھا اور جمیعت علمائے ہند، جمیعت مومن، نیشلسٹ مسلمان، مسلم کانفرنس کے ووٹروں کو ووٹ دینے کی جگہ پر آزاد چھوڑ رہا تھا اور اس کام کے اندر اس قدر وقت ضائع کروا رہا تھا کہ مسلم لیگ کے حامیوں کو اتنا وقت بھی نہ ملے کہ وہ اپنے ووٹوں کو ختم کر سکیں۔ اس شکل کو جس فوق العادہ جرات سے عبدالغنی خان مذکور نے حل کیا اس کی شرح ایک مستقل باب کی محتاج ہے۔ صوبہ سرحد میں عبدالکریم خان کا دورہ بھی بہت کامیاب رہا۔ اس کی مادری زبان پشتو تھی۔ سرحد آزاد علاقہ باجوڑ کا رہنے والا تھا۔ برطانوی محاربات میں ہر جگہ وہ شریک جہاد رہا۔ ٹوچی اور آگرہ کی جنگ میں ۱۹۲۴ء کے جہاد میں وہ توپ کے گولے سے زخمی بھی ہوا۔ صوبہ سرحد کے مقامی راہنماؤں سے مل کر ریفرنڈم کی مہم کے کامیاب بنانے میں اس نے اور ملک گل ضمیر خان محمود خیل چمرقندی (جو راقم الحروف کا خاص شاگرد ہے) نے نمایاں حصہ لیا۔ راقم الحروف تو وزیرستان میں تحریک پٹھانستان کے انسداد میں مشغول رہا مگر عبدالکریم خان مذکور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے تبلیغی فرائض سے فارغ ہو کر کڑال کے علاقہ میں چلا گیا تاکہ وہاں کی **فضا** ہمراہ مولانا محمد سنبھوالوی اور عبدالقادر خان وغیرھما مقامی مبلغین اسلام سے مل کر قوم مذکور کو آنے والے خطرات کے مقابلہ کے لیے تیار کرے۔ یہ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کی ان ہی تیاریوں میں مشغول تھے کہ ناگہاں قریب میں ڈھونڈ قوم کی طرف سے پیغام پہنچا کہ "جہاد کا ڈنکہ بج چکا۔ آؤ اور ڈوگرہ راج کا خاتمہ کرو۔

کشمیر، پونچھ، جموں کو دوبارہ دارالسلام بناؤ اور بہار کے مسلمانوں کا بدلہ لینا ہے تو سب کام چھوڑ کر یہاں پہنچو۔" اس پیغام کا کڑال میں پہنچنا اور عبدالکریم خان کا اپنے رفقاء سمیت سیدھا پونچھ پہنچنا ایک ساتھ ہوا۔ چونکہ اس جہاد کا بانی اور اس کے رفقاء سب پشت بہ پشت حضرت سید احمد کی مقدس انقلابی تحریک کے خیر خواہ اور اس کے معاون و مددگار چلے آ رہے تھے، اس لیے انہوں نے عبدالکریم خان کے اس ناگہانی ورود کو ان ابتدائی ایام کے اندر نہایت ہی نیک فال سمجھا۔ اس غیبی امداد سے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب ہماری فتح میں زیادہ دیر نہیں۔

تاوقتیکہ راقم الحروف فقیر ایپی سے نپٹ کر بذات خود وزیرستان سے محاذ پونچھ پر پہنچا، عبدالکریم خان برابر مجھے تمام حالات جنگ سے خصوصی قاصدوں کے ذریعے اطلاع دیتا رہا اور اس دوران دو مرتبہ خود بھی میرے پاس پہنچا۔ اس کے تھوڑے روز بعد عبدالغنی خان فاتح مہم ریفرنڈم آسام بھی سلہٹ سے راہ کے خطرات سے دوچار ہوتا ہوا سیدھا محاذ پونچھ پر پہنچ گیا۔ اسی طرح دوسرے اراکین مرکز چمرقند بھی خبر پاتے ہی اطراف سے سمٹ سمٹا کر جہاد کشمیر میں شریک ہو گئے۔ کشمیر کے محاذوں میں سے سب سے خطرناک اور مشکل محاذ پونچھ کا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے کوہالہ سے کم از کم چار روز پیدل چلنا پڑتا ہے۔ موٹر سڑک نہ ہونے کی وجہ سے رسد رسانی کا کام بہت ہی محنت طلب رہتا ہے۔ اس لئے اکثر فقر و فاقہ کی نوبت بھی پہنچتی رہتی ہے۔

مرکز چمرقند کے اراکین سے عبدالکریم خان اور عبدالغنی خان کے علاوہ مشہور مبلغ اسلام و حافظ محمد یوسف خان اور راقم الحروف کا اکلوتا بیٹا محمد سلیمان خان اور غزنوی خاندان کا لب لباب عمر فاروق خان اور بشیر احمد خان از

خاندان عالیہ پاک پٹن شریف بھی تھے۔ ان میں ہر فرد ہزار جوانوں کا ایک جوان تھا یہ جانباز ایک وقت میں تبلیغ اسلام کا فریضہ اور قتال فی سبیل اللہ کی خدمات بجا لاتے۔ علامہ فہامہ، مولانا ابو نعیم، عبد الحکیم خان ندوی، (مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی)، برادر کلاں عبد الغنی خان، (مذکور برما)، سیام، اور حدود چین میں مدت مدید سے مرکز چمرقند کی طرف سے اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کی تبلیغات میں مشغول رہے۔ الیکشن کے زمانے میں مرکز کی طرف سے خضر حیات کی اور کانگرس کی تحریکات کی بیخ کنی میں بھی انہوں نے بہت حصہ لیا۔ چونکہ کڑال اور ڈھونڈ قومیں سید احمد صاحب بریلوی کی مقدس تحریک کے انیسویں صدی سے بمنزلہ دو ہاتھ اور دو پیر اور دو آنکھ کے چلی آ رہی تھیں اس لیے انہیں باہمی شناخت اور اعتماد حاصل کرنے میں کچھ دقت نہ ہوئی۔ اس حسن تدبیر سے مرکز چمرقند نے بھی اس تحریک کے سابقین اولین کے زمرہ میں شمار کئے جانے کا عند اللہ و عند الناس استحقاق پیدا کر لیا۔ اس کے بعد راقم الحروف بھی بذات خود پٹھانستان تحریک پر بغیر امداد پاکستان کے فوق العادہ فتح حاصل کر کے مظفر و منصور پونچھ کی تحریک میں شامل ہو گیا۔ چمرقند سے اپنا سارا اسلحہ اور ذخیرہ کارتوس منگوا کر اس مقدس جہاد کے کامیاب بنانے میں وقف کر دیا۔ الحمد للہ علی ذالک، اور اپنی عادت قدیم کے مطابق مال و جان سے بہت قیمتی خدمات خفیہ طور پر انجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ حیدر آباد دکن کے وفد سے کراچی میں مل کر جب واپس میں ۲۶ ماہ جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۸ ماہ رمضان ۱۳۶۷ھ بروز سوموار پونچھ محاذ جنگ کی طرف جاتے ہوئے وزیر آباد اپنے آبائی گھر میں داخل ہوا تا کہ اطمینان کے ساتھ دو ماہ کی جمع شدہ ڈاک کا جواب لکھ سکوں، ناگاہ پولیس پہنچی اور راقم الحروف کو برطانوی عہد کے ایک ۲۷ سالہ گذشتہ مقدمہ کے ذیل میں زیر دفعہ ۱۲۰-B اور ۳۰۸ گرفتار کر لیا اور دوسرے

روز ۲۷ جولائی کو گوجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش کیا۔ جس نے جیل بھیجنے کی بجائے تین ہزار کی ضمانت پر مقدمہ مرتب ہونے تک مجھے چھوڑ دیا۔ دس بارہ روز تک یہ خبر مقامی حد تک محفوظ رہی۔ جوں ہی اگست کے دوسرے ہفتہ میں یہ خبر جرائد پنجاب کو پہنچی تو انہوں نے مرکزی اور صوبائی حکومت کو اس غلطی کے مہلک انجام پر متنبہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ پر سے مقدمہ اٹھا لیا گیا اور مجھے مسلم لیگ کے بعض اراکین نے زور دے کر لاہور بلایا۔ اس طریق سے میری گمنامی کا پردہ چاک ہو گیا۔ جہاد کشمیر کے متعلق بہت سے مستفسرین پہنچے اور بہت جگہ سے تحریری استفتا بھی بھیجے گئے۔ ہر چند میں اس میدان کا مرد نہ تھا، مگر احباب نے مجبور کیا کہ میں عام مسلمانوں کی تسلی خاطر کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں۔ چنانچہ اللہ کے بھروسہ پر یہ کام شروع کر دیا۔ اللہ اسے انجام تک پہنچاوے اور مسلمانوں کے لیے اسے بصیرت افزائی کا سبب بنا دے۔ آمین

تعارف بہ بانی تحریک جہاد کشمیر

اس نوجوان کا نام عبد القیوم خان ہے۔ سردار کے لقب سے معروف ہے۔ تحصیل باغ کے موضع کھیاوہ کے ایک پرانے زمیندار خاندان کا فرد ہے۔ اس کے اسلاف نے بہت نیک نامی سے ریاست پونچھ میں زندگی بسر کی ہے۔ وہ ڈھونڈ قبیلہ کا سر کردہ ہے۔ جو حسب و نسب کی طرف سے قریش کی مشہور شاخ بنی عباس سے ہے۔ امریکن سیاح رچرڈ سائمنڈ اس سرباز کے حال پر بذریعہ اخبار سٹیٹسمین کلکتہ و دہلی نے بھی کافی روشنی ڈالی ہے جسے کشمیر بیفورا سیشن میں حکومت پاکستان نے بھی شائع کیا ہے۔ گذشتہ جنگ عالمگیر ۱۹۳۹ء - ۱۹۴۶ء کے اندر یورپ، افریقہ، ایشیاء کے مختلف محاذوں پر رہنے سے اسے جنگ کا کافی تجربہ

حاصل ہوا ہے۔ وہ میدان جنگ میں ایک پختہ کار جرنیل کے فرائض بخوبی ادا کر سکتا ہے۔ انگریزی زبان کی تحریر و تقریر میں کافی مہارت رکھتا ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور عقائد سیاسی میں اپنے اسلاف رحمہم اللہ کی طرف سے حضرت سید احمد بریلوی کے سلسلہ میں داخل ہے۔ اس سلسلہ کی تجدید سردار مذکور نے راقم الحروف کے ہاتھ پر ماہ فروری ۱۹۴۸ء کو اسی تاریخ میں کی جس تاریخ کو حضرت مولانا ولایت علی جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اکبر تھے کے بیٹے اور ان کے جانشین حضرت امیر المجاہدین حافظ مولانا عبد الکریم صاحب کا مرکز اسمس میں علاقہ یوسف زئی سرحد آزاد میں انتقال ہوا تھا۔ یہ تاریخ ماہ فروری کی گیارویں ۱۹۱۵ء تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے چودہ طلبہ کا گروہ جو راقم الحروف کے ذریعہ مرکز مذکور میں ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو پہنچا تھا۔ ان سب کو حضرت امیر صاحب موصوف کی ملاقات اور دعا کی برکات حاصل کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ ویسا جامع صفات انسان آج روئے زمین پر چراغ لے کر ڈھونڈنے پر بھی نہیں مل سکتا۔

اللھم اغفرلہ

سردار عبد القیوم خان کے ابتدائی ساتھیوں میں ایک کا نام مولوی محمد بخش ہے۔ جو دینی علوم کا فاضل ہونے کے علاوہ بہت شیریں مقال اور میدان جنگ کا ویسا ہی امام ہے جیسے نمازوں کا۔ مشین گن کی برستی گولیوں کے اندر نماز پڑھنا اس کی دلیری ہے۔

۲۔ سردار عبدالقیوم خان مذکور کا دوسرا ساتھی پیر سید علی اصغر شاہ ہے۔ شوق جہاد اور مکارم اخلاق کا مجسمہ ہے۔ دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ دل بھی ویسا ہی فیاض اور جواد پایا ہے۔ ملت نے اسے اس کی خدمات کی بناء پر نمائندہ خصوصی پونچھ اور امین الملت رئیس المجاہدین کا خطاب دے رکھا ہے۔

۳- ابتدائی لوگوں میں سے ایک شخص سید خادم حسین شاہ نامی ساکن قریہ ملڑ تھا۔ مگر وہ شروع ایام ہی میں ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں مارا گیا۔

۴- یہ چند وہ سعید روحیں ہیں جنہوں نے پونچھ میں جہاد کشمیر کی بنیاد ڈالی اور بدوں امید کسی خارجہ امداد کے ڈوگرہ راج کے بر خلاف سب سے پہلے ہتھیار اٹھائے۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جسے ان کے اسلاف حضرت سید احمد بریلوی کی سرپرستی میں انیسویں صدی میں ادھورا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء پونچھ کے علاوہ باہر کے لوگ قبائل آزاد اور نیشنل گارڈ کے والنٹیر پنجاب وغیرہ کے اضلاع اس کار خیر میں شریک ہوئے۔ کشمیر کے سب محاذوں کے اندر پونچھ کا محاذ سب سے زیادہ سنگین اور خطرناک ہے۔ کوہالہ سے وہاں تک پہنچنے کے لیے کوئی ایسی سڑک نہیں جس پر موٹر چل سکے۔ چار روز کی منزل سے پا پیادہ رسد پیٹھ پر لاد کر پہنچانی پڑتی ہے۔ اب جیپ کاروں کے لیے گزارے لائق اہل وطن سڑک بنا رہے ہیں۔ سردار عبد القیوم خان کو مختلف مورچوں کی دیکھ بھال کے لیے بہت مرتبہ چالیس چالیس میل پا پیادہ پہاڑی راستے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اہل وطن کے اندر سے کوئی جوان اس دوڑ دھوپ کے اندر چند روز سے زیادہ نہ نبھ سکا۔ البتہ مرکز چرقند کے دو نوجوان عبد الکریم خان سرحدی اور عبد الغنی خان قصوری اس معیار میں اس وقت تک پورے اتر رہے ہیں۔ سردار عبد القیوم خان اور اس کے ان دو ساتھیوں کا وہ منظر قابل دید ہوتا ہے جب کہ وہ برستی گولیوں اور ہوائی جہازوں کی بمباری کے اندر فریضہ نماز ادا کرتے ہیں۔ محاذ پونچھ کے غازیوں کو اکثر فقر و فاقہ کی نوبت پہنچتی ہے کیونکہ سامان رسد کے پہنچنے کی سہولتیں جو دوسرے محاذوں اور مورچوں کو حاصل ہیں ان

میں سے کوئی اسے حاصل نہیں۔ ۲۴، ۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء کا شبخون فتح پونچھ کے اندر ضرور کامیاب ہو جاتا بشرطیکہ اس رات مقامی لوگوں کی کمپنی اپنی ڈیوٹی کی بجا آوری میں سستی نہ کرتی۔ پونچھ کا فتح ہونا اس رات مقدر نہ تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ ان حالات کو دیکھ کر افغانستان کا جدران قبیلہ ساڑھے تین لاکھ کارتوس لے کر (گواہ چست، مدعی سست) کا طعنہ دیتا ہوا روپوش ہو گیا۔

پونچھ کی چند دیگر قابل ہستیاں

جہاد کشمیر کی مقدس تحریک کا بانی بے شک سردار عبدالقیوم خان ہے اور اس کی تصدیق پاکستان گورنمنٹ کے اس سرکاری رسالہ سے بھی ہوتی ہے جو اس نے بنام Kashmir before accession حال ہی میں شائع کیا ہے۔ جس طرح شیر کے سامنے بھیڑ بکریاں بھاگتی ہیں، اسی طرح اس مرد مجاہد کے سامنے کئی مرتبہ ڈوگرہ فوج کو بھاگنا پڑا۔ تاریخ کشمیر میں وہ واقعہ خصوصی عنوان کے ساتھ شائع ہوگا جو اس تحریک کے بالکل ابتدائی ایام میں جب کہ کوئی آدمی باہر سے شریک کار نہیں تھا، وقوع میں آیا تھا۔ جس میں کئی ہزار ڈوگرہ فوج اس شیر نیستاں کے سامنے باغ سے بھاگی اور تحصیل سدھنی کے پولیس سٹیشن پر جا کر دم لیا تھا۔ یہ مقام باغ سے قریب پچاس میل کی مسافت پر ہوگا۔ ان ابتدائی مہمات میں اس کے چند دوسرے رفیق بھی ہیں جو اپنی عزیمت اور حسن خدمت کے لحاظ سے اس لائق ہیں کہ ان کے ذکر کی برکت سے اس تحریر کو محروم نہ رکھا جائے:

(۱) سردار تجمل حسین خان ساکن کوہ مری

(۲) سردار محمد نسیم خان

(۳) سردار ایوب خان B.A.

(۴) سردار شاہ میر خان از نریولہ

(۵) سردار محمد امین خان از موشغ چھمیٹی

(۶) سردار خلیل خان از موشغ چھمیٹی

(۷) کرنل منصب دار خان از گوجر خان ضلع راولپنڈی

(۸) کپتان محمد اسلم خان

(۹) فضائل ہمراہ گل احمد خان ایڈیٹر صداقت

(۱۰) ماسٹر علی اکبر خان انچارج کوہالہ کیمپ

(۱۱) سید شمشاد حسین شاہ از سوہاوہ

(۱۲) مولوی غلام حیدر خان از جنڈولہ

مذکورہ بالا فدا کاران ملت کے سوا اور بھی چند شجاعت مند ہیں جن کا ذکر خیر ہم پونچھ کی سدھن قوم کے ذیل میں تحریر کریں گے۔ انشاء اللہ

غیور سدھن قوم

ریاست پونچھ میں سدھن قوم کثرت نفوس، فراوانی مال اور شاہ زوری کے لحاظ سے بہت مشہور و معروف قوم ہے۔ اس قوم کا سیاسی لیڈر سردار محمد ابراہیم خان ہے جو ایک مشہور بیرسٹر اور کشمیر اسمبلی کا ممبر ہے۔ وہ بہت خوبصورت اور جاذب القلوب جوان ہے۔ سیاسی شعور اور قانونی قابلیت کی بنا پر اسے آزاد مسلم کشمیر سٹیٹ کا صدر مانا گیا ہے۔ جہاد کشمیر کی مقدس تحریک کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ میجر سید علی احمد شاہ محکمہ جنگ کے انچارج ہیں۔

سردار محمد ابراہیم خان موصوف کے وہ جنگی مشیر کار ہیں۔ قاضی ظہیر الدین احمد ایم۔ اے پروفیسر عربی اس تحریک کے سیکرٹری ہیں۔ عزیز خان ساکن پلندری اور سردار لطیف خان کابلی حکومت کی موجودہ تشکیل کے اندر وہ لوگ ہیں جن سے راقم الحروف کو براہ راست معرفی ہے۔ سردار لطیف خان موصوف سردار عبدالحکیم مرحوم وکیل التجارہ دولت امانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ عبدالحکیم خان مرحوم سے راقم الحروف کے بہت گہرے تعلق تھے۔ پلندری وہ مقام ہے جہاں آزاد مسلم کشمیر کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔

اس قبیلہ کے اندر جمعدار محمد زمان خان، محمد عمر خان اور محمود خان سردار حسین خان، جنرل حسین خان راولاکوٹی، صوبیدار ہدایت اللہ خان، سردار خان محمد خان آف پلندری، سردار دوست محمد خان صوبیدار آف حرہ مارہ وہ جان باز ہیں جنہوں نے سردار عبدالقیوم خان وسر کردہ مجاہدین باغ کی تحریک کی تائید میں آگے چل کر نمایاں حصہ لیا اور اس سلسلہ میں بہت قیمتی خدمات انجام دیں۔ ان میں سے اب ایک دو سے زیادہ باقی نہ رہے ہوں گے۔ سب نے اپنی صداقت اور اسلامی وفاداری پر اپنی شہادت سے ناقابل انکار دلیل پیش کر دی۔

اللہم ارفع درجاتہم فی المہدیین

چونکہ اس غیور اور جسور قوم کو انیسویں صدی سے لے کر اب تک حضرت سید احمد صاحب کی مقدس تحریک سے براہ راست وابستگی کا کوئی موقعہ نہیں ملا اس لیے میں اس شریف اور نجیب قوم کے تفصیلی حالات پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہوں۔ ہاں اس قوم کا ایک بلند قامت وجیہہ نوجوان جسے ۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء کی جنگ عمومی میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا وہ ایک خون کے مقدمہ میں وطن

چھوڑ کر مرکز چمر قند میں میرے ہاں پناہ گزین ہوا تھا۔ وہ بڑا ہی غیرت مند اور شیر دل نوجوان تھا۔ اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کے ہر کام میں ہم سب مجاہدین سے پیش پیش رہا کرتا تھا۔ اسلحہ کی فراہمی کا شوق اسے کشاں کشاں علاقہ پشاور میں لے گیا۔ جہاں اس نے مقامی دوستوں کے ساتھ مل کر ایک پولیس تھانہ پر شبخون ڈالا۔ جس میں مع چند دوسرے ساتھیوں کے گرفتار ہو گیا۔ پیچھے سننے میں آیا کہ وہ سب کے سب پھانسی دے دیے گئے۔ اس نوجوان کا نام سکندر خان ولد مست خان تھا۔ وہ موضع پوٹھہ ماکوالاں کا رہنے والا تھا۔ جو راولا کوٹ کے مضافات میں ایک مشہور قصبہ ہے۔ جمعیت عالیہ مجاہدین ہند سرحد آزاد مرکز چمر قند کی طرف سے سکندر خان مرحوم کے پس ماندگان کو اور اس کی غیرت مند قوم کو اس دل سوز واقعہ پر ہمدردی کا پیغام قبول ہو۔

جہاد کشمیر اور مرکز مجاہدین اسمس۔ علاقہ یوسف زئی

جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کا مرکز اسمس ہے۔ مرکز چمر قند جنگ عمومی ۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء کے دوران زیر ہدایت سردار نصر اللہ خان نائب السلطنتہ برادر حقیقی امیر حبیب اللہ خان مرحوم قائم ہوا تھا۔ یہ مرکز دریائے برندو کے کنارے قبیلہ بداخیل کی زمین میں دریائے سندھ سے دو گھنٹہ کی مسافت پر سوات اور امب ریاست کے مابین واقع ہے۔ اس مرکز کے صدر اعلیٰ مولانا رحمت اللہ صاحب مدفیوضہ ہیں۔ وہ حضرت مولانا ولایت علی صاحب خلیفہ اکبر حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے پڑپوتے ہیں۔ نسب نامہ ان کا یوں ہے:

(رحمت اللہ بن حضرت مولانا عبدالقدوس بن امیر المجاہدین حضرت مولانا عبد اللہ بن حضرت مولانا ولایت علی شاگرد حضرت شاہ اسماعیل شہید

وخلیفہ اکبر حضرت سید احمد صاحب بریلوی) مولانا ولایت علی صاحب مغلیہ خاندان کے سب سے بڑے گورنر (صوبہ بہار، بنگال، اوڑیسہ) کے نواسے اور لکھنؤ دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے۔

ابتدائے عہد سے لے کر ۱۹۱۵ء تک سرحدی علاقہ کے طول و عرض میں تمام انقلابی تحریکات کی سرپرستی اسی مرکز سے ہوا کرتی تھی۔ جب ۱۹۱۵ء میں نائب السلطنت کابل سردار نصر اللہ خان اور قاضی القضاۃ دولت افغانستان حاجی عبدالرزاق خان کے مشورے پر افغانستان مشرقی کی نزدیک ترین سرحدی مقام چمرقند میں دوسرا مرکز موسس کیا گیا تو مرکز اسمس کا بوجھ بہت حد تک ہلکا ہو گیا۔ چونکہ مرکز چمرقند تمام اینٹی برٹش تحریکات اور کارکنوں کا مرکز اور مستقر بن گیا اور وہاں سے ہی راقم الحروف کی نگرانی میں المجاہد کے نام سے ہفتہ وار اخبار بزبان فارسی شائع ہو کر بواسطہ سفرائے کابل تمام یورپ میں جاتا تھا۔ اس لئے اسے ایک غیر معمولی شہرت حاصل ہو گئی۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جونہی تحریک جہاد کشمیر سرکردگی میجر خورشید انور خان شروع ہوئی میجر مذکور کو قبائل آزاد کی طرف سے سب سے پہلی مدد جو پہنچی وہ حضرت امیر المجاہدین مولانا رحمت اللہ صاحب موصوف کی طرف سے تھی۔ آپ نے اپنی پوری مسلح نفری بھتیجوں کی سرپرستی میں ایبٹ آباد بھیج دی۔ ان میں سے بڑے کا نام شہزادہ برکت اللہ خان ہے۔ وہ مرکز اسمس میں مدار المہام کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ دوسرے کا نام صبغتہ اللہ ہے۔ وہ مدرسہ رحمانیہ دہلی کے فارغ التحصیل ہیں اور مرکز کے سالار اعلیٰ اور قاضی عسکر ہیں۔ مجاہدین اسمس کا یہ جانباز گروہ جمعدار بارک اللہ صاحب بنگالی اور جمعدار حسن علی صاحب کی زیر نگرانی جنگی خدمات بجا لا رہا ہے۔ بہت سے جانباز اس مرکز کے صد ہا

کفار کو واصل جہنم کر کے بمرتبہ شہادت فائز ہوئے ہیں۔ مدار المہام صاحب موصوف اور ان کے بھائی فضایل ہمراہ قاضی صبغتہ اللہ سالار عسکر دونوں باری باری اپنے سارے لشکر کی عمومی نگرانی کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔

استدعا از اراکین دولت پاکستان

مرکزی اور صوبائی حکومت صوبہ سرحد پشاور سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ چونکہ تقسیم ملک کی وجہ سے مرکز اسمس کے تمام ذرائع معاش و امداد پر بہت گہرا اثر پڑا ہے جن کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ اگر یہ مرکز جہاد کشمیر میں شامل نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ مرکز مذکور اپنے قدیم ذرائع سے راہ و رسم پیدا کرنے کی جرات کرتا۔ مگر اب ان میں سے کسی کا ہندوستان کی طرف رخ کرنا نہ صرف اپنی ذات کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے بلکہ اپنے ساتھ صدہا بے گناہوں کا بیڑہ غرق کروانا ہے۔ اس لئے پرزور استدعا ہے کہ مرکز مذکور کو مشرکین پاکستان کی کوئی سی وسیع جائداد اور زمین کاشت مرحمت کر دی جائے جس سے پاکستان کی خداداد حکومت کی دعا گوئی میں مشغول رہ کر فارغ البالی سے گزارہ کر سکیں۔ حضرت سید احمد صاحب کی مقدس تحریک پر یہ ناقابل فراموش نیکی ہو گی۔ (واللہ المستعان)

جہاد کشمیر اور میرپور

ریاست کشمیر کے اضلاع میں سے میرپور ایک مردم خیز خطہ ہے۔ شہر اور بیرون دیہات میں قدیم الایام سے حضرت سید احمد بریلوی کی مقدس انقلابی تحریک کا سلسلہ برابر چلا آ رہا ہے۔ متاخرین میں سے قابل ذکر لوگ بقرار ذیل ہیں:

مولانا عبدالحی صاحب وقت کے بڑے فاضل اجل اور فقیہ محدث ہیں ان کے اور ان کے والد بزرگوار مولانا عظیم اللہ صاحب مرحوم کے ہاتھ سے اس تحریک کا دائرہ بھمبر، کوٹلی، اکھنور، جموں، اسلام پور، شوپیاں، پیرپنجال تک وسیع ہو گیا۔ مولوی عبدالحلیم بڑبن والے اور مولوی عبداللہ ڈوڈیال والے اس تحریک کے زبردست حامیوں میں ہیں۔

مولوی فضل الدین صاحب وکیل المعروف بہ بھٹی صاحب ساکن اکال گڑھ حضرت سید صاحب کی انقلابی تحریک کے زبردست حامیوں میں سے ہیں۔ بڑے دیندار اور خدا پرست اور پاکستان کے تہ دل سے حامی اور اس کے بے غرض دوستوں میں سے ہیں۔ سنا گیا کہ مولوی عبدالحلیم مذکور کوٹلی کی جنگ میں شہید ہو گئے۔

سردار حبیب خان نامیاس علاقہ کے ایک گریجوایٹ نوجوان ہیں۔ سردار عبدالقیوم خان لیڈر باغ فورسز کی طرح اس نوجوان کو بھی ۱۹۳۹ء - ۱۹۴۶ء کے گذشتہ جنگ میں مختلف محاذوں پر حاضر ہونے اور عسکری تجربہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ڈوگرہ راج سے نجات حاصل کرنے والے مذکورہ بالا حضرات کے اندرون ان کا شمار خصوصیت سے کیا جاتا ہے۔

پرانے لوگوں میں سے کریم بخش زرگر، اسماعیل زرگر، اور مولوی عالم دین مرحومین اس لائق ہیں کہ میر پور کی تاریخ ان پر ہمیشہ فخر کرے گی۔ خاص کر موخر الذکر عالم دین علیہ الرحمتہ پر کہ وہ مرد مجاہد تھا جس نے گذشتہ جنگ عمومی کے شروع سال ماہ فروری ۱۹۱۵ء کے اندر پنجاب یونیورسٹی کے چودہ گریجویٹوں کو راقم الحروف سے مل کر سرحد پار نکالا تھا۔ اس کی اسلامی اور جہادی تبلیغات کا دائرہ

تناول، پکھلی، مظفر آباد، ہزارہ، چھچھ، کڑال، پونچھ، پنجاب کے بعض اضلاع تک وسیع تھا۔ اس کا قیام زیادہ تر مولانا محمد اسماعیل بن مولانا منہاج الدین مرحوم کے ہاں، موضع سکندر پور ڈھیری جو ہری پور کے مضافات میں ایک مشہور گاؤں ہے رہتا تھا۔ ان طلبہ کے نکالنے کے جرم میں راقم الحروف تو پنجاب کی مختلف جیلوں میں تین برس تک محبوس رہا مگر وہ کہیں کشمیر کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ ان واقعات کا ذکر رولٹ کمیٹی کی مرتب کردہ سڈیشن رپورٹ ۱۹۱۸ء کے اندر مرقوم ہے۔ طلبہ کا یہ جانباز گروہ ایشیاء اور یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیل گیا۔ ازاں جملہ سردار اللہ نواز خان پیچھے چل کر فاتح کابل بنا۔ پھر مدتوں حکومت افغانستان کی طرف سے جرمنی میں سفارت کے عہدے پر مامور رہا۔ سردار ظفر حسن خان کو موجودہ شاہ افغانستان ظاہر شاہ کے اتالیق بننے اور شاہ نادر خان مرحوم کے ساتھ مل کر انگریزوں سے ٹل کی جنگ جیتنے پھر دولت ترکیہ میں حربیہ کالج کے اندر پروفیسری کی خدمت بجا لانے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ ابھی حال ہی میں اس کا خط انقرہ سے آیا تھا۔

ڈاکٹر نور محمد خان نو مسلم اور ڈاکٹر غلام رسول خان بلوچ اور رسول بخش ہرسہ سندھی اور ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی مشہور انقلابی تینوں کو بھی اسی مرد مجاہد عالم دین خان مرحوم نے سرحد پار مجاہدین کے صدر مرکز اسمس میں پھر وہاں سے چمرقند میں پہنچایا تھا۔ ان میں ڈاکٹر غلام رسول خان بلوچ اور رسول بخش تو واپس چلے آئے اور ڈاکٹر نور محمد خان عہد امانی میں رائل فیملی کے معالج مقرر ہوئے۔ پھر کچھ مدت بعد وہ روس سے ہوتے ہوئے جرمن پہنچ گئے۔ پھر وہاں سے عہد نادری میں کابل لوٹ آئے۔ اب وہ وزارت عظمی کے خاص ڈاکٹر ہیں۔

ڈاکٹر اقبال شیدائی دوران جنگ عمومی ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۸ء کے اندر

مجاہدین کے مرکز چمرقند کی طرف سے مختلف خدمات پر مامور رہے۔ پھر وہ چمرقند سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ وہاں جمال پاشا مشہور وزیر جنگ سلطنت ترکیہ جو انور پاشا شہید کے دوران جنگ عمومی ۱۹۱۵ء - ۱۹۱۸ء کے اندر دست راست تھے، اس کے چیف سیکرٹری منتخب ہوئے۔ شاہ امان اللہ خان اور اس کے وزراء کے منظور نظر اور معتمد علیہ تھے۔ جب تک وہاں رہے دولت اسلام کی خیر خواہی میں رہے۔ جمال پاشا جب طفلس میں شہید ہو گئے تو شیدائی صاحب براہ روس ٹرکی، بلقان سٹیٹس سے ہوتے ہوئے فرانس پہنچے۔ وہاں اردو زبان کے پروفیسر کچھ مدت رہے۔ اور جہاں رہے جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مرکز چمرقند کی وکالت کا حق ادا کرتے رہے۔ جمال پاشا مرحوم سے مرکز چمرقند کے لیے پانچ سو پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر کروایا۔ وہ برابر مرکز پر پہنچتا رہتا مگر پاشا کی زندگی نے وفا نہ کی۔ مفتی فلسطین اور دیگر عرب شرفا سے خاص کر مصر والوں سے اس کے اچھے تعلق ہیں۔ پاکستان کی مخالفت میں کانگرس کا سخت پروپیگنڈہ عالم اسلام کے ممالک میں زہریلا اثر پھیلا رہا تھا۔ اس کے تدارک میں بھی شیدائی نے کافی حصہ لیا۔ گذشتہ جنگ کے دوران آزاد وزیرستان ریڈیو حکومت اٹلی کی طرف سے شیدائی ہی کے چارج میں تھا۔

رقیہ خاتون

جماعت کی طرف سے جو لوگ جہاد کشمیر میں حصہ لے رہے ہیں ان کے تذکرے کے سلسلہ میں ایک سرگرم اور مخلص خاتون کارکن فاضلہ ادیبہ رقیہ خاتون بنت خلیل عرب کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔ آپ حضرت سید احمد شہید کی تحریک کی زبردست مؤید ہیں۔ مرکز چمرقند کی طرف سے آج کل آپ کراچی کے حلقہ خواتین میں بہت کام کر رہی ہیں اور اپنی کوششوں کے ذریعہ مس فاطمہ

جناح فنڈ میں ہزاروں روپیہ داخل کرا چکی ہیں۔

۱۹۴۷ء - ۱۹۴۶ء کے حج کے موقع پر حرم شریف کے اندر روزانہ عربی زبان میں لیکچر دیتی تھیں اور مسلمانان ہند کی مظلومیت کا آواز سارے عالم اسلام میں اس نے پہنچایا اور سلطان نجد اور اس کے درباریوں کی اس ذہنیت کو کہ ہندوستان بھر میں ابوالکلام جیسا کوئی عالم نہیں ہے، اسی نے بدلا۔

ان حضرات و خواتین کے علاوہ اس جماعت کے سرگرم مبلغ علاقہ دراز سے کارگل اور اسکردو لداخ وغیرہ میں بھی تبلیغ جہاد کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ جن میں مولانا عبد الرحمان اور سید عبد اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قبائل آزاد وزیرستان

قبائل آزاد میں سے جو قبائل حضرت سید محمد یوسف شاہ گیلانی المعروف بہ پیر صاحب وانوں جنوبی وزیرستان، اور شہزادہ فضل الدین صاحب لیڈر منزلی قبائل مسعود محاذ کشمیر پر جنگی خدمات بجا لائے یا بجا لا رہے ہیں وہ اس تجویز کے زیر اثر جو پٹھانستان تحریک کے مشہور علمبردار فقیر ایپی کو شکست دینے کے بعد اس جلسہ میں منظور ہوئی تھی جو پیر صاحب موصوف کی سرپرستی میں راقم الحروف اور لیفٹیننٹ گیدین خان بہلوال زئی مسعود ساکن کمین کی سفارش پر مقام میدان میں قائم ہوا تھا۔ اس جلسہ میں بالاتفاق یہ تجویز پاس ہوئی تھی کہ دولت پاکستان کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا جائے اور اس کی فقط ایک ہی صورت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اس کے ہر دشمن کر سر کچلنے کے لیے جنگی خدمات پیش کی جائیں۔ چنانچہ حسب قرار داد قبائل مسعود اپنے لیڈروں کی سرپرستی میں محاذ اوڑی پر اہم خدمات بجا لا رہے ہیں۔

قبیلہ محمد خیل باجوڑ

ریاست باجوڑ کا یہ قبیلہ موضع چمرقند میں جہاں سید احمد صاحب بریلوی کے متبعین کا مشہور مرکز ہے، رہتا ہے۔ اس قبیلہ کے ذمہ دار لوگوں میں سے ایک شخص ملک گل ضمیر خان نامی ہے۔ گذشتہ جنگ عالمگیر ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۶ء کے اندر سفرائے یورپ مقیم کابل کے ساتھ پیغام رسانی کی تمام خطرناک خدمات انجام دینا مرکز کی طرف سے اسی کے ذمہ تھا۔ ان ہی انقلابی خدمات کی بجا آوری کے لیے اسے کئی بار ہندوستان کے طول و عرض میں دورے کرنے پڑے۔ جمیعت مجاہدین ہند کے ساتھ مل کر وزیرستان سے لے کر اتمان خیل تک جس قدر لڑائیاں انگریز کے برخلاف ہوئیں ان سب کے اندر اس نے اور اس کی قوم نے حصہ لیا۔ آخر الامر راقم الحروف کی سفارش پر وہ اپنا قومی لشکر لے کر جہاد کشمیر میں پہنچا اور صدہا مشرکین کو واصل جہنم کر کے بمع اپنے چمرقندی رفقاء کے شہادت فی سبیل اللہ کی عزت سے سرفراز ہوا۔ وہ بڑا ہی دلیر تھا۔ پندرہ بیس جوانوں کا وہ اکیلا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اللہ اسے بخشے اور حکومت صوبہ سرحد صوبہ پشاور کو اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا حق ادا کرنے کی توفیق دیوے آمین۔

قبائل مہمند

قبائل مہمند ہی میں سے موسے خیل قبیلہ جو سب قبائل سے زبردست مانا گیا ہے، کا سب سے بڑا لیڈر قاضی عبد الحمید خان ہے۔ وہ چمرقند کے سرحدی انصاروں میں سے سب سے بڑا معاون اور غم شریک ہے۔ شروع ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب یہ تحریک شروع ہوئی، قاضی موصوف کا بھائی ملک عبد اللہ خان بمع اپنی جمیعت کے جہاد میں شریک ہوا۔ سری نگر تک پہنچا۔ اس کی جمیعت

کے چند آدمی شہید اور چند زخمی ہوئے۔ اس لے بعد قاضی موصوف راقم الحروف کی دعوت پر ماہ محرم ۱۳٦٧ھ بمع آٹھ سو نفر مسلح کے پشاور پہنچے۔ اور اپنی خدمات وہاں کے ذمہ دار شخص --------- کے سپرد کیں۔ مگر اس نے ان کو واپس کر دیا۔ اس نے گلہ مندی کا خط مجھے لکھ کر تمام حالات سے مطلع کیا۔

نواب صاحب باجوڑ

قبائل آزاد کے اندر سب سے زیادہ طاقت باجوڑ قبائل میں نواب صاحب شاہجہاں خان والئے باجوڑ خار کی ہے۔ اس نے بھی میری طرف سے دعوت نامہ پہنچنے پر اپنی خدمات پولیٹیکل افسر مالاکنڈ کو پیش کیں۔ جو سنا ہے کہ شکریہ کے ساتھ دوسرے وقت ضرورت پر ملتوی کر دی گئیں۔ واللہ اعلم

مرکز مجاہدین چمرقند نے اس کے علاوہ تیرہ، آفریدستان، ریاست دیر، سوات کے اندر تمام احباب کو جہاد کشمیر میں شمولیت کے دعوت نامے ارسال کئے اور وقتاً فوقتاً ترغیبات کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

شکر بحضور خداوند بندہ نواز

ملک کشمیر اور اس کے گرد و نواح کی اسلامی ریاستوں، پونچھ، راجوری جموں وغیرہ کو سکھ اور ڈوگرہ راج کی غلامی سے نجات دلانے کے واسطے حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ اور آپ کے خلفاء نے انیسویں صدی میں اور آپ کے موجودہ متبعین نے اس بیسویں صدی میں جو فداکارانہ خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں ان کا مختصر حال اوپر بیان ہوا۔ اس بیان سے قارئین کرام پر یہ بات متحقق ہو جائے گی کہ جہاد کشمیر کو پہلے زمانے میں بھی حضرت سید احمد

صاحب اور آپ کے متبعین نے شروع کیا تھا اور اس زمانے میں بھی اس جہاد کی ابتداء کا کام مورخہ ۵ اگست ۱۹۴۷ء کو شروع ہوتا ہے اور آزاد مسلم کشمیر سٹیٹ والوں کا ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دوماہ ستر دن بعد۔ سید صاحب کی مقدس تحریک کے حامیوں کی پشت پر کوئی طاقت نہیں سوائے توکل اللہ کے۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی کے صدہا ہزار وسائل ہیں۔ اس منعم حقیقی کی بندہ نوازی کی شان پر قربان جائیں کہ جس نے ہمیں اس خدمت کے لیے نوازا۔ اس ذرہ نوازی کا شکریہ سرمد کے الفاظ میں یہ ہو سکتا ہے۔

سرمد! گلہ اختصار مے باید کرد
یک کار ازیں دو کار مے باید کرد
یا تن برضائے دوست مے باید داد
یا قطع نظرز دوست مے باید کرد

اس شکر گذاری کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہندوستان بقرار پیشگوئی سید صاحب ہمارے ضعیف ہاتھوں سے فتح ہو کر سارا برعظیم ہند پاکستان بن جائے اور چار کروڑ مسلمان جو مشرکین کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں وہ آزاد ہوں۔ سکھ قوم کا ہمارے ہاتھوں اس طرح خاتمہ ہو کہ ان کا برعظیم ہند میں کہیں نشان باقی نہ رہے۔ مشرکین ہند اور ہند کی قدیم اقوام سب کے سب دعوت اسلام کو قبولیت کے کان سے سن سکیں۔ ہم اتنے قوی ہو جائیں کہ حیدر آباد دکن اور فلسطین وغیرہا کسی ملک اسلامی کی طرف کفار کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت باقی نہ رہے۔ پاکستان جو اس وقت ہمارا اللہ کے فضل و کرم سے آزاد گھر

ہے، اس کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ رکھنے میں ہمیں مسابقت کا مقام نصیب ہو اور ہم پاکستان کے اور برِ عظیم ہند کے تمام مسلمانوں کے خدا کے نزدیک بے غرض دوست قرار دیئے جائیں۔ یہی ہماری ان تمام ناقص خدمات کا سب سے بڑا اجر ہے۔ ودگر ہیچ۔

کشمیر کی فتح میں تاخیر اور تعطل کے اسباب

اس مضمون کے پڑھنے والوں کو جہاد کشمیر کے ہر دو زمانوں کے تاریخی حالات معلوم ہونے کے بعد اس بات کی ضرور خواہش پیدا ہوئی ہو گی کہ میں ان کے لیے ان اسباب پر بھی روشنی ڈالوں جن کی بنا یہ مقدس تحریک پہلے زمانے میں بالکل ناکام رہی اور اس زمانے میں خلاف توقع اس کی کامیابی میں تاخیر اور تعطل واقع ہو رہا ہے۔ سو اس کا جواب مختصر سا یوں ہے کہ:

پہلے زمانے میں جہاں اس تحریک کا مرکز تھا وہیں کے لوگ کفار و مشرکین سے مل گئے اور بجائے حمایت کرنے کے اس کی بیخ کنی میں اپنی ساری قوتوں کو صرف کر دیا۔ یعنی کابل کے سردار جن کے ہاتھ میں اس وقت افغان قوم کی زمام تھی اور جن کی حمایت اور ہمدردی کے بغیر اس تحریک کی پیش رفت اور کامیابی بر بنائے اسباب ظاہر ممکن نہ تھی، وہ دونوں مشرکین ہنود کے ساتھ مل کر اس تحریک کی تخریب کے درپے ہو گئے۔ اس لئے یہ تحریک ناکام رہی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج سے مدتوں پہلے دنیا کا نقشہ دگرگوں ہوتا۔ جس میں یورپ کی سرمایہ داری اور اشتراکیت وغیرہ کے لیے کوئی نشان نہ ملتا۔ یہ تحریک اسی زمانہ میں دب کر پھر ایک مرتبہ ابھری۔ ابھی وہ ابتدائی منازل میں تھی کہ ناگہاں انگریزی حکومت اپنی پوری طاقت کے ساتھ بیچ میں کود پڑی اور ڈوگرہ راج اور انگریزی حکومت نے

اپنی ہستی طاقت سے اس تحریک کو دبا دیا۔ اس کے علاوہ اس وقت ہندوستان کے داخلی مسلمانوں کا اتفاق ٹھوس نہ تھا۔ روحانی مشائخ اور علمائے وقت کا بڑا طبقہ اور ان کے مرید اس تحریک کے مخالف تھے اور ان کی طرف سے مخالفانہ رنگ میں فتوے صادر ہوتے رہتے۔

موجودہ زمانے میں اس مقدس تحریک کی کامیابی اس لئے یقینی ہے کہ افغانستان کی پبلک اور قبائلی علاقہ اور صوبہ سرحد پشاور کے افغانوں کی پوری ہمدردی من حیث المجموع اس تحریک کے ساتھ ہے۔ شاہی خاندان کابل اب بھی اس تحریک کا ویسے ہی مخالف ہے جیسے انیسویں صدی میں تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

انتباہ برائے دولت افغانستان

مشرکین ہند نے پٹھانستان کا طمع دے کر اس کی سو فیصدی ہمدردی حاصل کر لی ہے اور وہ ہر قیمت پر مشرکین ہند کی مدد سے پٹھانستان تحریک کو کامیاب بنانا چاہتا ہے۔ مگر ہم اسے یقین دلاتے ہیں کہ جس طرح اس کا جد امجد سردار سلطان محمد خان طلائی مرحوم سکھوں کی امداد کے بھروسہ پر تخت کابل لینے میں ناکام رہا۔ تخت کابل کا ملنا تو کجا اسے صوبہ سرحد پشاور کی آبائی وراثت سے بھی ہمیشہ کے لیے محروم ہو کر سکھوں کی سرپرستی میں لاہور اور شاہدرہ میں ایک قیدی کی حیثیت سے ایام بسر کرنے پڑے تھے، اس سے بھی زیادہ ناخوش گوار حالات سے اسے دوچار ہونا پڑے گا۔ پٹھانستان کا ملنا تو درکنار کیا عجب کہ بنگال، بہار، یوپی، میوات اور خاص کر مشرقی پنجاب کے لاکھوں کروڑوں مظلوم مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی بددعائیں ہندوستان کے تمام اولیائے کرام

اور محدثین کی روحانی لعنتوں سے مل کر غیرت الہٰی کو اس قدر جوش دلا دیں کہ افغانستان کے تخت سے بھی اسے دست بردار ہو کر ان ہی حالات ناساز سے دوچار ہونا پڑ جائے جن حالات کے ساتھ ان کے جد امجد سردار سلطان محمد خان طلائی مرحوم کو ہونا پڑا تھا۔ شاہی خاندان کے لیے لازم ہے کہ اپنے اسلاف کی غلطیوں سے عبرت پذیر ہو اور پٹھانستان کے طمع کو سراب کے اندر آب ڈھونڈنے سے زیادہ وقعت نہ دے۔ بلکہ مظلوم مسلمانوں کی دلی ہمدردی کے اس موقع کو غنیمت جان کر تمام سکھ اور ہندو آبادی کو حدود افغانستان سے اسی طرح باہر نکال پھینکے جس طرح کہ مشرکین ہند نے ان کے مسلم بھائیوں کو ان کے گھروں سے باہر نکال پھینکا اور پھینک رہے ہیں اور اس بارے میں **(اخرجوھم من حیث اخرجوکم)** کے فرمان سے راہنمائی اور تسکین قلبی حاصل کرے۔ اتنے بڑے انتباہ پر بھی وہ چوکنا نہ ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ جس اصول پر وہ پٹھانستان کے مطالبہ کو حق بجانب قرار دیتا ہے اگر اسی اصول پر اس کی ہمسایہ سلطنت روس ان کے کوہ ہندو کش اور دریائے آمو کے درمیان کا ترکستانی حصہ مانگے تو وہ پٹھانستان کی نظیر پیش کر کے دنیا کی دول اور ملل کا منہ بند کر سکتا ہے؟

ہماری کامیابی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ میں نہ صرف پاکستانی مسلمانوں کا اور افغان قوم کا بلکہ روئے زمین کے مسلمانوں کا ایک خیال ہے۔ سب کے سب فلسطین اور کشمیر کے مسئلہ میں متحد الخیال اور متفق ہیں۔ کوئی نہیں چاہتا کہ دونوں ملکوں (کشمیر اور فلسطین) میں سے کوئی ملک کفار اور مشرکین کے قبضہ میں جانے پائے۔ شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد، بریلوی، دیوبندی ارباب شریعت اور طریقت، امراء اور غرباء کے طبقات، مرد و عورت بوڑھے، بچے غرض امت کے تمام افراد بالاتفاق زبان حال اور قال سے شب و روز

بارگاہ الٰہی سے کشمیر اور فلسطین کے جہاد کی کامیابی کے لیے ہر جگہ دعائیں مانگتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ انگریز کا منحوس قدم اب بیچ میں نہیں ہے۔ اسے اس تحریک کی تخریب کے اندر مداخلت کا وہ موقع اب میسر نہیں ہے جو پہلے اسے حاصل تھا۔

چوتھے یہ کہ جس طرح اللہ پاک نے اپنے لطف عظیم سے منطوق لازم الوثوق:

ان الذين كفروا ينفقون اموالهم ليصدوا عن سبيل الله. فسينفقونها ثم تكون عليهم حسرة ثم يغلبون.

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اور سرمائے اس غرض سے خرچ کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔

سو یہ لوگ یوں ہی برابر اپنے مال و متاع ان ناپاک مقصد کے لیے خرچ کرتے رہیں گے۔ مگر یہی خرچ کرنا آخر کار ان کے لیے موجب حسرت اور ندامت ثابت ہو گا۔ کہ خرچ بھی کریں (پھر الٹا ان کو شکست بھی ہو گی اور وہ مغلوب ہوں گے) کی تہدید کا ظہور مشرکین ہند کی تمام پہلی سازشوں کے درہم برہم کرنے کے اندر فرمایا اور ان کا کروڑ ہا روپیہ متحدہ قومیت کی تحریک میں عبث برباد کر دیا۔ سنٹرل پراونشل الیکشن اور ریفرنڈم کی مہموں خاص کر تحریک پٹھانستان کی کامیابی کے لیے جو پینتیس کروڑ کا سرمایہ عبدالغفار خان سرحدی گاندھی کی معرفت افغانستان کو اور اس کے بیٹے عبدالغنی خان کے ذریعہ فقیر ایپی کو پہنچایا اس کا نتیجہ برباد ہندو قوم کے حق میں حسرت اور ندامت کا اور اہل اسلام کی حوصلہ افزائی کا سبب بنا۔

قدرت کے اس حسن سلوک سے قوی امید ہے کہ ہندو قوم کی تمام کوششیں کشمیر کی بازی کے اندر اس کی پہلی کوششوں کی طرح ناکام رہیں گی۔ اس کا ارب با روپیہ کا سرمایہ اور ہزاروں نفوس میدان جنگ میں برباد ہوں گے۔ مگر انجام اس کا اہل اسلام کے حق میں ہو گا۔ (انشاء اللہ)

ہندو قوم کی گذشتہ اور موجودہ غلطیوں کا نتیجہ

ہندو قوم کی پہلی غلطیوں کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں بر آمد ہوا۔ ملت اسلام کا استقلال وہ ہر گز ماننے پر تیار نہ تھی اور نہ اس کا سرپرست انگریز۔ مگر ان سب کو نہ صرف استقلال ماننا پڑا بلکہ استقلال کے ساتھ ساتھ ان کو ایک مستقل گھر بھی پاکستان کی صورت میں دینا پڑا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ اب اس کی موجودہ غلطیوں کا نتیجہ انشاء اللہ سارے ہندوستان کی فتح اور اس کے پاکستان بننے کی صورت میں جلد یا بدیر ظاہر ہو کر رہے گا۔ ان ذالک علی اللہ یسیر۔

اسباب تعطل و تاخیر

فتح پونچھ اور کشمیر میں کیوں تعطل اور تاخیر ہو رہی ہے؟ اس موضوع پر بحث کرنا بحیثیت ایک چشم دید شاہد کے میں سر دست مناسب نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک اس گفتگو و شنید کے مستحق ایک ہی شخص تھے۔ ان سے ملنے کے لیے ماہ اپریل ۱۹۴۸ء کو پشاور پہنچا۔ بد قسمتی سے وہ بیمار تھے۔ انہوں نے اپنے سیکرٹری کو مجھ سے ملنے پر مامور فرمایا۔ میں ہنوز اپنی بات چیت ختم نہ کرنے پایا تھا کہ ناگہاں اطلاع ملی کہ چڑی کوٹ کا مورچہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور دشمن سترہ میل مفتوحہ علاقہ میں بجیرہ اور راولا کوٹ تک بڑھ گیا یہ واقعہ سترہ اپریل

۱۹۴۸ء کا ہے۔ یہ مورچہ پونچھ اور کشمیر کی فتح کے لیے بمنزلہ شاہ رگ کے ہے۔ اگر ہم نے اسے واپس نہ لیا تو پونچھ اور کشمیر کا فتح ہونا تو درکنار کیا عجب کہ خدانخواستہ ہمیں مستقبل قریب یا بعید میں خود پاکستان سے بھی دست بردار ہونا پڑ جائے۔ (العیاذ باللہ) اس قسم کا ایک واقعہ بلکہ اس سے بھی زیادہ حوصلہ شکن مورخہ ۲۴، ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کی رات کو پیش آیا۔ اس رات پونچھ کا فتح ہو جانا سو فیصد یقینی تھا۔ ویسے ہی ناامیدی سے بدل گیا۔ کیوں ایسا ہوا؟ اس کی وجہ بتانے کے لیے ابھی میں تیار نہیں ہوں۔ انکشاف حال میں فائدہ کی نسبت ضرر کا پہلو زیادہ ہے۔ اللہ ہمیں اپنے فرائض بجالانے کی اور اس قسم کی سیاسی غلطیوں کی اصلاح کی جلد از جلد توفیق بخشے آمین۔

بہر حال بارگاہ باری تعالی سے قوی امید ہے کہ وہ ہمیں کشمیر کے مسئلہ میں ایسی کامیابی نصیب کرے جو دنیا کے لیے موجب حیرت اور استعجاب ہو۔ اگرچہ کچھ دیر سے ہو۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اس فتح میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس کے اسباب پر روشنی ڈالنے سے اس جمعیت کے اندر انتشار پیدا ہو گا جن کے ہاتھ میں اس وقت مقدس تحریک کی زمام ہے تو میں بحیثیت ایک چشم دید شاہد کے ضرور اس کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھتا۔ ہمیں اس نازک وقت میں ہر اس چیز سے خواہ وہ کیسی ہی ضروری اور مقدس معلوم ہو پرخطر اور محتاط رہنا لازمی ہے جو ہماری شیرازہ بندی کے اندر ادنی ترین پراگندگی کا باعث ہو۔ ورنہ دشمن ایسی چیز سے وہ فائدہ اٹھائے گا جو ہزاروں قیمتی جانیں میدان جنگ میں تلف کرانے اور کروڑ ہا روپیہ مصارف جنگ برداشت کرنے سے اسے حاصل نہ ہو سکے۔ اب جب کہ سیکیورٹی کونسل کے نمائندے پاکستان اور ہندوستان کا دورہ کر رہے ہیں اس قسم کی باتیں اور بھی قابل حذر اور احتیاط ہیں۔ کیا عجب کہ ریفرنڈم کے اصول پر

ہمیں کشمیر کے مسائل میں قسمت آزمائی کرنی پڑ جائے۔ اس صورت میں ہمارا معمولی سے معمولی اندرونی شقاق اور افتراق دشمن کی بڑی سے بڑی مشکلات کو حل کر کے ہمیں ناکام بنا سکتا ہے۔

پس میں قارئین کرام سے اس بارے میں معذرت چاہتا ہوں اور اس مسئلہ کو کسی دوسری مناسب فرصت پر چھوڑتا ہوں، اور جہاد کشمیر کے بارہ میں دوسری بار اعلان کرتا ہوں۔

جہاد کشمیر کی مشروعیت کا مکرر اعلان

کشمیر کی موجودہ جنگ وقت کی افضل ترین عبادت اور جہاد فی سبیل اللہ کی ہفت گانہ وجوبات کے عین مطابق ہے اور اس زمانے میں اس کے مقابلے میں اللہ تعالے، رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ مقصود نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اس کام کو چھوڑ کر دوسرے مشاغل کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی کا وسیلہ بنا دے تو اسے چاہیے کہ سورہ توبہ کے آئینہ میں اپنی کوششوں کا جائزہ لے اور خود ہی فیصلہ کرے کہ کیا اس کی کوششیں آسمانی وعید فلا نقيم لهم يوم القيامة وزناً (الکهف ۱٦ ع ۱۲/۳)

ترجمہ: پس قیامت کے روز ہم ان کے نیک اعمال کا رتی برابر وزن بھی حساب میں قائم نہیں رکھیں گے۔ کی زد میں تو نہیں آتا؟ اور وہ خود اللہ تعالے کی غیر محدود رحمت سے خارج تو نہیں کر دیا جاتا؟ اور رحمت للعالمین علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک بار نہیں ستر بار سفارش پر بھی عفو کے دائرہ میں جگہ نہیں پاتا؟ جہاد فی سبیل اللہ کے اندر سستی کرنے والوں کے حق میں اس قسم کی نہایت خوفناک تہدیدات سورہ التوبہ پارہ ۱۰ میں بمرات و کرات موجود ہیں۔ جب ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ

وسلم اور بدر ایسے مرحوم اور معصوم صحابہؓ جہاد فی سبیل اللہ کے کاروبار کے ذیل میں مواخذہ خداوندی سے محفوظ نہ رہ سکے تو ہم لوگ کس کھیت کی مولی ہیں؟ اگر کسی کو ہمارے اس بیان میں شک ہو تو اسے چاہیے سورہ الانفال پارہ دسواں رکوع ۹ کی آیت لولا کتب من اللّٰہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم.

ترجمہ:- (اگر دربارِ الٰہی سے تمہارے اس فروگذاشت کی جو تم نے بدر کے جنگی قیدیوں کے بارے میں کی ہے معافی کا حکم پہلے سے صادر نہ ہو چکا ہوتا تو بالضرور تمہیں عذاب چمٹ جاتا) کی تفسیر پڑھے۔ پس ہم سب بھائیوں سے بصد ادب درخواست کرتے ہیں کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل میں جو کچھ لکھنا یا بولنا ہو نہایت سوچ بچار کر کے بولیں اور لکھیں۔ اس میدان میں نہایت احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھنا لازم ہے۔ جو حضرات سیاسی تحریکات کو بازیچہ اطفال سمجھ کر ہر مدعی کی دعوت پر لبیک کہنے میں نہیں ہچکچاتے بلکہ خود سرانہ جو چاہا اپنے لیے مسلک اختیار کر لیا ان سب کو آیت مذکورہ فوق کی تہدید پر وعید سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

موجودہ جنگ کشمیر وہ جہاد ہے جس کی غیر مشروعیت اور عدم وجوب پر کوئی دلیل نہیں پیش کی جا سکتی۔ کفار مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکال رہے ہیں۔ ان سے ان کی اولاد کو ان کی پاک دامن عورتوں اور بیٹیوں اور بہنوں اور ماؤں کو چھین رہے ہیں۔ ان کے قتل عام سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کی بہو بیٹیوں کی اعلانیہ عصمت دری کرتے ہیں۔ ان کو زبردستی اسلام سے برگشتہ کر کے ان پر زبردستی سکھ ازم اور ہندو ازم ٹھونس رہے ہیں اور وہ وہ کر رہے ہیں جس کو مادر گیتی کی آنکھ نے کبھی دیکھا نہیں تھا اور نہ کبھی کسی نے اس وقت تک سنا

تھا۔ کس کا جگرہ ہے کہ ان مظالم پر روشنی ڈال سکے۔ سینہ چاک ہوتا ہے اور قلم کا کلیجہ پھٹتا ہے۔

زدست گریہ کتابت نمے توانم کرد
کہ مے نیسم و مغسول مے شود فی الحال
ز آہ و نالہ حکایت نمے توانم کرد
کہ صد گرہ بزباں مے فتد بوقت مقال

مسلم قوم اور مسلم وطن کو کفار کی غلامی سے نجات دلانا جہاد فی سبیل اللہ کی وہ صورت ہے جو طالوت اور جالوت نیز فرعون اور موسے علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہے۔ مدافعت عن بلاد الاسلام وہ فرض عین ہے جس کی نسبت فقہائے عظام فتوے دیتے ہیں کہ بیوی بغیر اجازت خاوند کے اور غلام بدوں اجازت اپنے آقا کے ایسے موقع پر نکل کھڑے ہوں۔ جہاد کی فرضیت میں قرب اور بعد کا بھی لحاظ ہوتا ہے۔ اگر قریب لوگوں سے دشمن کے عسکری اقدمات کی مدافعت ہو سکے تو بہتر ورنہ دور والوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی تمام سابقہ حکومتوں کا استقلال یکے بعد دیگرے جاتا رہا اور سب کی سب یورپ کے تابع اور مطیع ہو گئیں۔ موجودہ جہاد کشمیر سے فقط یہ غرض نہیں ہے کہ کشمیر اور اس کے نواح کی دوسری اسلامی ریاستوں کو سکھ اور ڈوگرہ راج سے نجات دلائی جائے بلکہ ہمارے پیش نظر اپنے چار کروڑ مسلم بھائیوں کو جو مشرکین کی قید میں گرفتار ہیں اور ان پر طرح طرح سے ظلم ہوتے رہتے ہیں کی نجات کی راہ پیدا کرنا نیز پاکستان کو اور پاکستان کے ساتھ تمام عالم اسلام کو ہندو

ازم کے ہمہ گیر اور قیامت نما خطرہ سے محفوظ رکھنا بھی ہے۔ اسلامی ریاستوں کی حفاظت کا فریضہ بھی جہاد کشمیر کے جاری رکھنے کا تقاضہ کرتا ہے تاکہ ہندو قوم وہ جنگی دباؤ جو بحالت امن حیدر آباد دکن پر ڈال سکتی ہے، اس کا ایک بڑا حصہ کشمیر پر مشغول رہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کی نیابت کا فریضہ پونچھ اور کشمیر کے مجاہدین سے انجام پائے۔

جہاد کی مشروعیت کے لیے سب سے پہلی آیت باتفاق صحابہ کرامؓ اور مفسرین حضرات وہ ہے جو سورہ الحج میں اتری ہے۔ اسے ہم پہلے صفحوں میں درج کر چکے ہیں۔ قارئین کرام کی یادداشت کی تازگی کے واسطے ہم یہاں بمع ترجمہ دوبارہ لکھ دیتے ہیں:

اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا و ان الله على نصرهم لقدير ٥ الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله و لو دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بيع و صلوات و مساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً و لينصرن الله من ينصره ان الله لقوى عزيز (الحج پ ۱۷ ع ۶/۱۳)

ترجمہ: جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں۔ ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ یہ اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ ان (مظلوموں) کو ظالموں کے برخلاف مدد دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ (مظلوم مسلمان ہیں) جو (بے چارے) صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ اگر خداوند

تعالے کا (یہ دستور) نہ ہوتا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے پٹوایا کرے تو نصارے کے گرجے اور کلیسے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن کے اندر کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ اور جو شخص اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالے بڑا زبردست اور سب پر غالب ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ دراصل جہاد فی سبیل اللہ کی اجتماعی شکل کا خاکہ تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان مال ایسی حقیر دینوی چیز کی حفاظت کرتے ہوئے کسی کافر کے ہاتھ سے مارا جائے تو وہ بھی شہید ہے اور اس کا یہ فعل شرع شریف کی نظر میں جہاد فی سبیل اللہ کی منشا کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح ہے۔

من قتل دون ماله فهو شهيد

ترجمہ: جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوا وہ شہید ہے۔

رواه الترمذي و ابو داؤد و النسائي عن سعيد بن زيد كذا في المشكوه باب مالا يضمن من الجنايات.

معترضین جہاد کی تصویر قرآن مجید کے آئینہ میں

ایسے نازک وقت میں جب کہ مسلمانوں کا مال و جان، عزت و ناموس چاروں طرف سے کفار کے نرغہ میں پھنس چکی ہو اور وہ اپنی تمام کوششیں اس ناپاک مقصد پر وقف کر چکے ہیں کہ بر عظیم ہند کی خاک سے اسلام اور اہل اسلام کا نام و نشان اسی طرح مٹا دیں جیسا کہ سپین اور روسی ترکستان کے اندر مٹایا جا چکا ہے اور

ہر مسلمان مرد و عورت پر یکساں جہاد واجب ہو چکا ہو۔ جہاد کے اندر اعتراض کی باتیں فقط اسی شخص کو سوجھ سکتی ہیں جسے قرآن مجید کی روشنی سے کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ جو پر لے درجے کا نامرد، خود غرض، آرام طلب اور عیش کوش ہو۔ میدان جہاد میں جانا اسے اپنے تئیں دیدہ اور دانستہ موت کے منہ میں گھسیڑنا معلوم ہو۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کو عورتوں سے تشبیہ دی۔ آیت وافی ہدایت میں اسی طرف اشارہ ہے:

رضوابان یکونوا مع الخوالف فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون (التوبہ ۱۰ ع ۱۱/۱۷)

ترجمہ: ان کو میدان جہاد میں حاضر ہونا ناگوار اور گھر میں بیٹھ رہنے والی عورتوں کے ساتھ ان کو پیچھے بیٹھ رہنا پسند آیا۔ (جہاد سے پیچھے رہ جانے کا وبال ان پر یہ پڑا) کہ نفاق کی مہر ان کے دلوں پر لگا دی گئی۔ اور وہ جہاد کی مصلحتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کو منافقین اور مخلصین کے درمیان مابہ الامتیاز قرار دیا ہے اور جہاد کے میدان میں بغیر کسی شرعی عذر (بیماری، لنگڑا پن، اندھا پن، عدم استطاعت زاد راہ) کے حاضر نہ ہونے والے کو زمرہ منافقین کے اندر شمار کرتے ہوئے اس سے اپنی ناراضگی اور بیزاری کا اظہار بدیں الفاظ فرمایا ہے:

ولکن کرہ اللہ انبعاثھم فثبطھم و قیل اقعدوا مع القعدین ۔ (التوبہ ۱۰ ع ۷/۹)

ترجمہ: مگر اللہ تعالے کو ان کا جگہ سے ہلنا ناپسند آیا تو ان میں کاہلی بھر دی اور ان سے کہہ دیا گیا (جاؤ بے نصیبو) جہاں اور لوگ جہاد سے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو)

ان کی خیرات وصدقات نماز وغیرہ ہر کار خیر سے بیزاری کا
اعلان فرمایا۔ محض اس لئے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے اندر مین میخ نکالتے ہیں اور اس
میں حاضر ہونے سے کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ پیدا کر لیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

قل انفقوا طوعاً و کرهاً لن یتقبل منکم انکم کنتم قوماً
فسقین (التوبه ۱۰ ع ۹/۷)

ترجمہ: اے پیغمبر! تو ان سے کہہ دے کہ تم خوش دلی سے خیرات کرو یا بے دلی
سے (خداوند تعالے تم سے جہاد میں مین میخ نکالنے اور میدان جہاد میں پیچھے رہ
جانے کی بنا پر ایسا خفا ہو گیا ہے) کہ وہ تمہاری خیرات ہرگز ہرگز قبول کرنے کا
نہیں۔ کیونکہ تم بڑے نافرمان لوگ ہو)۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید کا بصیرت افروز بیان

شہید حضرت شاہ اسماعیل بن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں اور جہاد کے مسائل پر نکتہ چینی کرنے
والوں کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو یہاں درج نہ کرنا ہم قارئین کرام کی
بڑی حق تلفی سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم اسے عیناً درج کرتے ہیں۔ وہ سید میر شاہ علی
لکھنوی کو معترضین مسئلہ جہاد کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جہاد کی صورت ہر
گز یوں نہیں بنتی کہ تم لوگ گھروں میں بیٹھے رہو۔ اصل عبارت یوں ہے:

نہ اینکہ جان خود را از سلک عباد اللہ بر کشیدہ در زمرہ عباد الاجوفین
داخل گردانند و این رکن رکین دین متین را گذاشتہ در کاسہ لیسی اغنیاء مستر دین و
فرج سوسانٹی نسوان ناقصات الدین مشغول شوند، سبحان اللہ! حق اسلام ہمیں

سے بڑے رکن کو یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے مشاغل کو چھوڑ کر اللہ کی بارگاہ سے مردود سرکش امیروں اور رئیسوں کی کاسہ لیسی اور خوشامد میں لگا رہے یا دن رات عورت کے ساتھ شہوت رانی کے مزوں میں ڈوبا رہے۔ آہ افسوس صد افسوس کی بات ہے کہ آنکھوں کے سامنے دین اسلام کی جڑ اکھاڑی جا رہی ہو (اور مسلمان دیکھے اور اس کی رگ حمیت میں کچھ جنبش پیدا نہ ہو) اور ایسے شخص کو الٹا ملامت کی جائے جو باوجود اپنی بدنی اور مادی کمزوریوں کے محض اس ایمانی غیرت اور اسلامی ننگ کے جو اس کے سینے میں جوش مارے اسے ملامت اور اعتراض کا ہدف بنایا جاوے۔ بیشک ایسے لوگ سکھ، مجوس اور ہنود قبیلہ کے اندر شمار کئے جانے کے مستحق ہیں نہ کہ اہل اسلام کے اندر یہ لوگ ملت محمدیہ (یعنی سرباز مجاہدین) سے دشمنی رکھتے ہیں اور اللہ تعالے کا یہ فرمان ان کے حق میں صادق آتا ہے:

(وماذا بعد الحق الا الضلال) میں پوچھتا ہوں کہ اسلامی غیرت کا تقاضہ یہی ہے جس کا ثبوت یہ لوگ دے رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ازراہ مذاق ہی کیوں نہ ہو جہاد کا آوازہ بلند کرتا ہو تو جس کے دل میں ادنی غیرت ایمانی ہے اس کا دل اس خبر کے سننے سے پھول کی مانند کھل جاتا اور سنبل کی مانند ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ (جہاد کا ولولہ تو اہل اسلام کے دلوں میں یوں موجیں مارتا ہے) کہ اگر کسی دور دراز ملک کے اندر سے کہیں جہاد کی آواز بلند ہو اور کسی غیرت مند فرزند اسلام کے کان تک پہنچ جائے تو وہ یقیناً پہاڑوں اور دریاؤں کو چیرتا ہوا وہاں پروانہ وار پہنچے گا۔ جہاں سے آواز بلند ہوئی ہو۔ نہیں نہیں بلکہ شہباز کی سی تیز پروازی کے ساتھ وہ وہاں پہنچے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ آیا مسئلہ جہاد باوجود اس کے وہ سب عبادات سے خدا کے نزدیک بلند مرتبہ سمجھا گیا، یہ مسئلہ کیا حیض اور نفاس کے مسائل سے بھی گیا گزرا ہے؟ مناسب یہی ہے کہ ان تمام نفسیاتی خیالات اور

است۔ کہ بیخ رکن اعظم اورا برکنند و کسیکہ باوجود ضعف و ناتوانی و غیرت ایمانی و حمیت اسلامی در سینہ او جوش زند۔ اورا ملام و مطعون سازند۔ بیشک آں قوم از جملہ مجوس یا سکھ یا ہنود اند۔ کہ باملت محمد یہ عداو تمیدارند۔ وماذا بعد الحق الاالضلال۔ یا کہ مقتضائے محمدیت ہمیں بود کہ اگر کسے بطریق لہو و بازی ذکر جہاد بر زبان مے راند۔ قلوب مسلمین از استماع آں بسیان گل شگفتہ مے گردید۔ و بسیان سنبل سر سبز مے شد۔ و اگر از بلاد دور دست ہم آوازہ قیام جہاد بگوش ہوش اہل غیرت اسلامی مے رسید۔ فی الفور دیوانہ وار وردشت و کوہسار مے دوید۔ بلکہ مثل شاہباز مے پرید۔ آیا امر جہاد باایں عظیم الشان از پایہ تعلیم مثل کتاب الحیض والنفاس ہم ساقط گردید۔ مناسب ہمیں است کہ ایں ہوا جس نفسانی ووساوس شیطانی از دل دور گردانند و غیرت اسلامی و حمیت ایمانی را بجوش آرند و مردانہ وار در مجمع مجاہدین در آیند۔ و نشیب و فراز زمانہ کہ بر ایشاں مے گزرد مصابرت ورزند۔ و خیالات دور دراز کہ از عقل اسباب پرست سر بر مے آرند دست بردارند و آں را از اوہام جزنبرہ شمارند و علائق دینیہ و تینسوہ را کہ مانع استعجال این امر باشد ازاں ہم وفد باشند بموجب بیت۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

(مکتوب ۳۱۔ سوانح احمدی ص ۶۱۲ ۔ ۶۱۳)

ترجمہ: یہ مناسب نہیں ہے کہ (مسلمان ہو کر) آدمی اپنی جان کو (فداکار) بندوں سے الگ رکھے اور اپنا شمار ان لوگوں کے اندر کراوے جو ہنوز ماں کے شکم کے اندر ہیں اور (یہ بھی مناسب نہیں ہے) کہ مسلمان ہو کر دین متین کے اس سب

شیطانی وساوس سے اپنے دل کو پاک کریں اور ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کو جوش میں لاویں اور زمانے کے نشیب و فراز سے قطع نظر کر کے مجاہدین کے لشکر میں پہنچیں اور جو ان پر گذرتی ہے ان سب کو نظر انداز کریں اور دور دراز کے خیالات کو جو دل میں گذرتے ہیں اور ان تمام باتوں کو جو تحریک مقدس کی راہ میں مانع ہوتی ہیں کو چھوڑ دیں ان سب کو شیطانی وسوسوں کے اندر شمار کریں اور کسی ایسی بات کو جو جہاد مقدس کے اندر شمولیت سے روکتی ہو سے دور بھاگیں۔ کسی فارسی شاعر نے ازراہ نصیحت کیا خوب کہا ہے:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار

بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

باب چہارم

استفتائے دوم (الف)۔

امام الجہاد اور مجاہدین کا تزکیہ نفس کے کمالات سے متصف ہونا شروط جہاد میں سے لازمی شرط ہے یا نہیں؟

جواب

تزکیہ نفس کے کمالات سے امام الجہاد اور مجاہدین کا اوصاف اور کمالات سے متصف ہونا ضروری نہیں۔ اگر ہوں تو اس سعادت کا کیا کہنا۔ (ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم) مگر ان چیزوں کو جہاد کی امامت کے لیے یا مجاہدین کے لیے لازمی شروط قرار دینا علوم دینیہ سے قطعاً ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہ مسئلہ دراصل اس مسئلہ کی دوسری شکل ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ خلافت راشدہ کے سقوط کے بعد اکثر بلکہ ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امامت ملتی رہی۔

شہادت اول از تاریخ

افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کا امام بننا یزید کے واقعہ سے ثابت ہے۔ یزید کو صحابہ کرامؓ سے بھلا کیا نسبت جبکہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف ہی حاصل نہیں ہوا تھا۔ کریکٹر اور اخلاق کے لحاظ سے اس کو اپنے ہم عصر طبقۂ تابعین میں سے کسی چھوٹے سے چھوٹے تابعی پر ترجیح نہ تھی۔

صد با صحابہ کرامؓ اور ہزار ہا ملکوتی صفات تابعین کرام کی موجودگی میں وہ امام بنتا ہے۔ ایسے لوگ جن کا ثانی مادر گیتی نے کبھی پیدا کیا اور نہ پیدا کرے گی۔ حضرت حسینؓ جو اہل نبوت کے چشم و چراغ تھے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ جنہیں اللہ تعالے نے مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان بننے کا شرف عطا فرمایا تھا۔ یہ سب یزید ایسے شخص کی قیادت میں قسطنطنیہ کے جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور یزید کے تمام شرعی عیوب اور کمزوریوں پر محض جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے کی خاطر صرف نظر کرتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اسی معرکہ میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں جامع ابو ایوب انصاری آپ کی ایک پائیدار یادگار ہے۔ اگر امام الجہاد کے لیے تزکیہ نفس کی خوبیوں سے متصف ہونا شروط جہاد میں سے لازمی شرط ہوتی تو یہ حضرات ملکوتی صفات کبھی یزید کی قیادت کو اس موقعہ پر قبول نہ کرتے۔ جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (۱) نے قسطنطنیہ کے شہدا کو خدا کے نزدیک افضل الشہداء کے معزز خطاب سے امت کے اندر ممتاز فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے الفاظ یہ ہیں:

(افضل الشهداء عند الله رواه مسلم عن ابی ہریرہ کذا فی المشکوہ باب الملاحم فصل اول)

شہادت دویم از قرآن مجید

داؤد علیہ السلام جو نبوت کے شرف سے نبی اسرائیل کے اندر نوازے جانے والے تھے، نے اپنی مظلوم مسلم قوم اور اپنے وطن کو جالوت جو کہ ایک کافر بادشاہ تھا کی غلامی سے نجات دلائی۔ قرآن مجید نے ان کی اس خدمت کو بہت سراہا اور اسے وقت کا سب سے بڑا جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا۔ انہوں نے یہ

خدمت طالوت ایسے شخص کی سرپرستی میں انجام دی تھی جسے اخلاق اور اعمال کے لحاظ سے داؤد علیہ السلام سے کوئی نسبت نہ تھی۔ بلکہ قرار بیان مفسرین رحمہم اللہ تعالے وہ داؤد علیہ السلام کے حق میں برادران یوسف علیہ السلام سے کم نہ تھا۔ تفسیر خازن جلد اول نے طالوت کے معاملہ کو جو اس نے داؤد السلام کے ساتھ برتا تھا، تین صفحوں (۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳) پر بیان کیا ہے۔ اس کا ایک ضروری اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں تاکہ اس مضمون کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ جہاد کی امامت کے واسطے تزکیہ نفس کے کمالات سے آراستہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ خازن کے الفاظ ہیں:

و طعن العلماء و العباد علی طالوت فی شان داؤد فجعل طالوت لا ینهاه احد من قتل داؤد الا قتله فقتل خلقاً کثیراً من العباد و العلماء

ترجمہ: علماء کرام اور وقت کے نیک بندوں کے طالوت کی اس بدسلوکی پر جو اس نے داؤد علیہ السلام کے حق میں روا رکھی تھی کو ملامت کیا ہے۔ اس پر طالوت نے ہر اس شخص کو جس نے اس کو داؤد علیہ السلام کے قتل کرنے سے روکا جان سے مارنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس نے بہت سے اللہ والے بندوں کو اور عالموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شہادت سویم از حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم الجهاد واجب علیکم مع کل امیر براً کان او فاجراً و ان عمل الکبائر و الصلوة واجبة

عليكم خلف كل مسلم براً كان او فاجراً و ان عمل الكبائر و الصلوة واجبة علىٰ كل مسلم براً كان او فاجراً و ان عمل الكبائر ۔

(رواه ابو داؤد كذا فى المشكوة، باب الامامة جلد اول)

فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے:

اے مسلمانو! ہر امیر کی سرپرستی میں خواہ نیک ہو یا بد۔

(۱) حتےٰ کہ وہ کبیرہ گناہ بھی کرتا ہو تم پر فریضہ جہاد بجالانا واجب ہے۔

(۲) اے مسلمانو! ہر ایک مسلمان کے پیچھے تم پر نماز ادا کرنا واجب ہے۔ خواہ وہ مسلم امام بھلا ہو یا برا۔ اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا بھی مرتکب ہو۔

(۳) اے مسلمانو! نماز (جنازہ) ہر مسلمان (کی تم) پر واجب ہے بغیر اس کے کہ وہ بذات خود نیکوکار یا فاسق یا فاجر ہو اور اگرچہ کبیرہ گناہ بھی اس سے سرزد ہوں۔

حدیث کی اس شہادت سے ثابت ہوا کہ امام الجہاد بدکار سے بدکار کیوں نہ ہو اس کی قیادت میں فریضہ جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ فسق و فجور کا کتنا ہی بڑا مجسمہ کیوں نہ ہو۔ پس جب نماز جو فرائض مکتوبہ میں سے ہے کا ادا کرنا ہر فاسق و فاجر پر فرض ہے تو جہاد فی سبیل اللہ کہ وہ بھی نماز کی طرح مکتوبہ فرائض میں سے ایک بلند پایہ فرض ہے کیوں نہ فاسق سے فاسق شخص پر واجب ہو گا؟ نماز کو بھی اللہ نے مکتوبہ عبادات سے قرار دیا اور قتال فی سبیل اللہ کو بھی۔

شہادت چہارم از حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و سلم الجہاد ماض مذ بعثنی اللّٰہ الی ان یقاتل اخر ھذہ الامۃ الدجال لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل۔ (رواہ ابو داؤد کذافی المشکوۃ باب الکبائر)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ روایات کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا "اور فریضہ جہاد جب سے اللہ تعالے نے مجھے نبوت سے سرفراز کیا ہے اس وقت سے لے کر اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ اس امت کا آخری شخص دجال کو قتل کرے گا۔ نہ ظالم امام کا ظلم اس فریضہ کی بجا آوری میں حائل ہو سکتا ہے نہ عادل امام کا عدل (یعنی امام الجہاد خواہ ظالم ہو یا عادل ہر ایک کے ساتھ فریضہ جہاد بجا لانے میں تمہیں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے)

شہادت پنجم پیشگوئی از رسالتماب

وہ حدیث جسے امام احمد اور بیہقی نے بروایت نعمان بن بشیر بواسطہ حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی مسند میں بیان کیا ہے سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ نبوت کے خاتمہ پر خلافت راشدہ علے منہاج نبوت کا زمانہ آئے گا۔ خلافت راشدہ کے بعد اہل اسلام کے اندر بادشاہت کا زمانہ آئے گا جو ایسی بے رحم ہو گی کہ بنی نوع انسان کے خون کی پیاسی ہو گی۔ اسے (ملکا عاضا) کے نام سے آپ نے یاد فرمایا ہے۔ یعنی بنی نوع انسان کو بھوک و پیاس میں مبتلا رکھ کر ان کے خون کی کمائی سے فائدہ اٹھانے والی اور بیت المال جو پبلک کا ہو گا، اسے اپنی عیش و

عشرت پر صرف کرے گی اور پبلک کی بھوک کو رفع کرنے کا کچھ انتظام نہ کرے گی۔ اس کے بعد خبر دی ہے کہ شاہان جابرہ کا زمانہ آئے گا یعنی اخلاق کی قوت سے نہیں بلکہ سینہ زوری اور جبر سے کام لے کر اپنی بادشاہت کا قائم رکھنے کی کوشش کرنے والے ہوں گے۔ (کذافی المشکوۃ کتاب الفتن باب سویم)

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے بھیڑیا صفت اور جابر بادشاہوں کی وجہ سے امت پر فریضہ جہاد ساقط ہو جائے گا؟ اور جب تک ابو بکرؓ اور عمرؓ نما خلیفہ نہ پیدا ہوں گے اس وقت تک اس فریضہ کو معطل اور موقوف کر دیا جائے گا؟ ہر گز نہیں۔ پس امام الجہاد کے لیے تزکیہ نفس کے کمالات سے موصوف ہونے کی شرط سراسر لغو اور علم حدیث سے بے خبری کی دلیل ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ ہی تزکیہ نفوس کا یگانہ ذریعہ ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ تزکیہ نفس اسلام کے اندر کوئی غیر ضروری چیز ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی تو وہ چیز ہے جس کے اوپر سعادت آخری کا سارا دارومدار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے نے اس بارے میں بہت چیزوں کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قد افلح من زکّٰھا، و قد خاب من دسّٰھا۔ (سورہ والشمس پارہ ۳۰)

ترجمہ: (مذکورہ بالا چیزوں کی قسم کھا کر میں کھتا ہوں) کہ جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ (اس دنیا میں کرلیا) وہ تو یقیناً بامراد ہو گیا۔ اور جس شخص نے اس کو دبا دیا وہ برباد ہوا۔

مگر حصول مقصد کا وہ طریقہ جو عام طور پر مروج ہے۔ اللہ پرست لوگ بڑی نیک نیتی سے اس دولت کے حصول کے لیے رہبانیت یعنی درویشی اختیار کرتے ہیں۔ اپنی جان پر بڑی بڑی ریاضتوں کی محنت اور مشقت جھیلتے ہیں۔ قرآن مجید اور سیرۃ نبوی اور مسلک صحابہ کرامؓ اس مروجہ طریقہ کی تائید سے انکار کرتا ہے اور اس دولت کے حصول کے لیے جس راہ کا وہ نشان دیتا ہے تو محض جہاد فی سبیل اللہ کا۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز تہجد اور تلاوت قرآن مجید کی مداومت اور پابندی پر توجہ دلاتی ہے۔ مگر وہ بھی فریضہ جہاد کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ نہ کہ اسے چھوڑ کر۔ آپ نے تقرب الی اللہ کے مروجہ طریقوں کو یہود اور نصاریٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنی امت کی درویشی اور رہبانیت کو جہاد فی سبیل اللہ کے حدود کے اندر محدود کر دیا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:-

عن انس ان النبی صلے اللّٰہ علیه و سلم قال ان لکل امة رھبانیة و رھبانیة امتی الجھاد (اخرجه احمد و الترمذی و ابو یعلی و البیھقی کذافی تفسیر فتح القدیر للشوکانی الجز الخامس ص ١٧٥ و کذافی الخازن الجز السابع ٣٣)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک امت کے ہاں مخصوص رہبانیت ہے۔ (جسے وہ تزکیہ نفوس کے لیے ضروری سمجھتی ہے) مگر میری امت کی درویشی اور رہبانیت صرف جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

نوٹ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دربار رسالت مآب نے تزکیہ نفوس کے لیے جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کا طریقہ ہی مخصوص کیا ہے۔ دگر ہیچ

تزکیہ نفس برائے عساکر مجاہدین

تزکیہ نفس کے کمالات سے متصف ہونا جیسا کہ اوپر ثابت ہوا امیر جہاد کے لیے ضروری شرط نہیں ہے۔ ویسے ہی افراد مجاہدین کے لیے بھی ضروری نہیں۔ ہاں اگر ہو تو یہ نور علی نور ہے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق عہد نبوی کے ایک واقعہ سے بھی ثابت ہے جو یوں ہے۔

عن ابن عائذ قال خرج رسول اللّٰه صلے اللّٰه علیه و سلم فی جنازة رجل فلما وضع قال عمر بن الخطاب لا تصل علیه یا رسول اللّٰه صلے اللّٰه علیه وسلم فانه رجل فاجر فالتفت رسول اللّٰه صلے اللّٰه علیه و سلم الی اناس فقال هل راه احد منکم علے عمل الاسلام فقال رجل نعم یا رسول اللّٰه حرس لیلة فی سبیل اللّٰه فصلی علیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم و حثی علیه التراب و قال اصحابک یظنون انک من اهل النار و انا اشهد انک من اهل الجنة و قال یا عمر انک لا تسئل عن اعمال الناس ولکن تسئل عن الفطرة

(راوه البیهقی فی شعب الایمان . کذا فی المشکوة کتاب الجهاد)

ترجمہ: ابن عائذ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے جنازے کے لیے نکلے۔ پس جنازہ قبرستان میں رکھا گیا۔ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کا جنازہ نہ پڑھیے کیونکہ یہ

آدمی فاسق و فاجر تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور ان سے پوچھا کہ کیا کسی نے تم لوگوں میں اس شخص کو اسلام کے کسی کام پر دیکھا ہے؟ اس پر ایک شخص بول اٹھا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس شخص کو ایک رات راہ خدا میں یعنی جہاد میں مجاہدین کا پہرہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر اپنے دست مبارک سے اس پر مٹی کی چند لپیں ڈالیں اور فرمایا کہ تیرے ساتھی تو تجھ کو جہنمی سمجھتے ہیں۔ مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اہل جنت میں سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ "اے عمر تو لوگوں کے اعمال کی نسبت نہیں پوچھا جائے گا بلکہ تجھ سے پوچھ ہو گی تو صرف دین اسلام کی نسبت ہو گی۔"

اس واقعہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی آنکھوں کے سامنے گزرا یہ ثابت ہوا کہ مجاہدین کے لیے تزکیہ نفس کے کمالات سے آراستہ ہونا کوئی ضروری بات نہیں۔ جس طرح کہ فاسق سے فاسق شخص کے اوپر نماز پڑھنا فرض ہے اس طرح بدکار سے بدکار آدمی پر بھی اللہ کے دشمنوں سے لڑنا واجب ہے۔ اس کی بری خصلتیں فریضہ جہاد کی بجا آوری میں مانع نہیں بن سکتیں۔

عہد نبوی ﷺ کا ایک دوسرا واقعہ مذکورہ بالا مضمون کی بدیں الفاظ تائید مزید کرتا ہے:

عن ابی امامۃ خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فمر رجل بغار فیہ شئی من ماءٍ و بقل و حدث نفسہ بان یقیم فیہ و یتخلے من الدنیا فاستاذن رسول اللہ

صلے اللّٰہ علیہ وسلم فی ذلک فقال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و سلم انی لم ابعث بیھودیۃ ولا بالنصرانیۃ ولکنی بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ والذی نفس محمد بیدہ لغدوۃ او دوحۃ فی سبیل اللّٰہ خیر من الدنیا و ما فیھا و لمقام احدکم فی الصف خیر من صلوتہ ستین سنۃ. (رواہ احمد کذافی المشکوۃ، کتاب الجھاد)

ترجمہ: ابی امامہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ (جہاد کے لیے) نکلے۔ ہم میں سے ایک شخص کا گزر ایک غار پر ہوا جس میں پانی اور ہرہ ہرہ سبزہ تھا تو (یہ منظر دیکھ کر) اس کے دل میں یہ بات گزری کہ وہ دنیا سے بالکل یکسو ہو کر اسی غار میں ٹھہر جاوے۔ (اور یہیں بیٹھا بیٹھا اللہ کے ذکر اور فکر میں مشغول رہے) اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں اجازت مانگی تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خدا پرستی کا یہ طریقہ تو یہود اور نصارے کا ہے) اور میرا حال یہ ہے کہ میں نہ تو یہودی مذہب لے کر مبعوث ہوا ہوں اور نہ ہی نصرانی مذہب لے کر۔ بلکہ میں تو دین اسلام لے کر آیا ہوں جو بہت ہی آسان ہے (مشقت طلب نہیں ہے)۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ کی راہ میں یعنی جہاد کی خاطر کوئی شخص میدان جنگ میں صبح حاضر ہو یا شام یہ کام دنیا اور اس کے اندر کی تمام بھلائی کی باتوں سے اچھا ہے اور کوئی شخص تم میں سے صف جنگ میں ٹھہرے تو یہ کام ساٹھ سال کی نماز دعا سے اچھا ہے۔

نتیجہ

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ تزکیہ نفوس کی منازل طے کرنے کا یگانہ طریقہ جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اور یہی طریقہ اصل درویشی ہے۔ اگر جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ذریعہ تقرب الی اللہ کا تجویز کیا جاوے تو وہ انسان کو یہودیت اور نصرانیت کے مسالک کی طرف راہ نمائی کرے گا نہ کہ صحابہ کرام کے طریقہ کی طرف۔ واللہ اعلم

نظریہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی بقلم شاہ شہید مولانا اسماعیل

حضرت سید احمد صاحب بریلوی ان لوگوں کے بارے میں جو جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنے طرز عمل سے دوسروں کو بھی شمولیت جہاد سے روکنے کا باعث بنتے ہیں۔ بقرار ذیل فرماتے ہیں:۔

پس کسیکہ مساعی جہاد را تقبیح کند و مشاغل دیگر را ترجیح دہد ہمون است آثم و گناہ گار و ظالم ستمگار و از بارگاہ حق مردود و بوعید شدید (رب تالی القرآن والقرآن یلعنہ و رب مصل و الصلوۃ تلعنہ) موعود

(سوانح احمد مؤلفہ مولانا محمد جعفر ۱۷۴)

ترجمہ: پس جو شخص جہاد کی عیب چینی کرے اور دوسرے کاموں کو جہاد پر ترجیح دیوے وہ وہی شخص ہے جسے فی الحقیقت گناہگار اور روسیاہ اور پرلے درجے کا بے انصاف اور ظالم کہنا چاہیے۔ ایسا شخص اللہ تعالے کے دربار سے راندہ اور اس وعید شدید کا مستحق ہے جو اس حدیث میں وارد ہے۔ (بہت سے لوگ قرآن مجید

پڑھتے ہیں مگر قرآن مجید بھی ان پر لعنت برساتا ہے۔ بہت سے نمازی نماز پڑھتے ہیں۔ مگر نماز اس پر رحمت نہیں بلکہ لعنت برساتی ہے۔

استفتائے (ب)

کیا مشرکین کی امامت اور قیادت مسلم قوم کے لیے اس کے سیاسی امور میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سیدنا ابراہیم اور امامۃ المسلمین

مسلم قوم کی زندگی کے کسی شعبہ میں خواہ اس کا تعلق تمدن سے ہو یا ان کی معاشرت سے یا ان کی اقتصادیات سے ہو یا سیاسیات سے۔ غرض زندگی کے کسی شعبہ میں مشرکین کی امامت اور قیادت جائز نہیں۔ خاص کر سیاسیات میں کیونکہ وہی تو اسلامی زندگی کا مدار علیہ ہے۔ اس لئے اسکی زمام کسی مشرک غیر مسلم کے حوالے نہیں کی جا سکتی۔ بقرار ذیل میں حکم باری تعالی کی روشنی میں ہم اس اہم مسئلہ کی جانچ پڑتال کرتے ہیں:۔

اللہ تعالے نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یکے بعد دیگرے بہت سی کڑی آزمائشوں میں ڈالا اور ان کے جوہر ایمان اور یقین کو نکھارا۔ وہ ہر امتحان میں پورے اترے تو حق تعالے نے ازراہ بندہ نوازی ان کو تمام بنی نوع انسان کا تا روز قیامت کے لیے امام بنا دیا۔ آپ نے عنایت الہی کو اپنے شامل حال دیکھ کر امامت کے بارے میں اپنی اولاد کے حق میں سوال کیا تو بارگاہ لم یازل سے

جواب ملا کہ تیری اولاد میں سے جو ظالم یعنی مشرک ہوں گے ان کے لئے اس منصب جلیلہ کے اندر کوئی حق اشتراک نہیں۔ یہ صرف مسلمین کا حق ہے۔ قرآن مجید نے اس مضمون کو بدین الفاظ ادا کیا ہے۔

و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماماً۰قال و من ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین (البقرہ . پارہ اول ع ۱۵/۱۵)

ترجمہ: اور اے پیغمبر! بنی اسرائیل کو وہ وقت یاد دلاؤ، جبکہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے ان سب باتوں کو پورا کر دکھایا۔ تو حق تعالےٰ نے ازراہ نوازش فرمایا۔ "اے ابراہیم! ہم تجھے تمام بنی نوع انسان کے واسطے امام بناتے ہیں۔" ابراہیم نے درخواست کی۔ "بنی نوع انسان کی امامت اور راہنمائی کا حق جو تو نے مجھے عنایت کیا ہے، یہ منصب میری اولاد کو بھی پہنچے گا یہ نہیں"؟ بارگاہ لم یازل سے جواب ملا کہ "تیری اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے ان کو یہ منصب نہیں پہنچے گا۔"

ظالم کی تعریف قرآن کے الفاظ میں

ظلم کی کئی قسمیں ہیں۔ کسی کا مال چرانا، کسی پر شبخون اور ڈاکہ ڈالنا، مسافروں کو لوٹنا، کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا، کسی کی لڑکی، بہن کا اغوا کرنا، کسی پر جھوٹے مقدمہ ہی دائر کروانا، غرض ظلم کی بہت سی قسمیں، ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔ اور تمام کبیرہ گناہوں سے ظلم کی وہ قسم بڑی ہے جسے قرآن مجید کی اصلاح میں "شرک" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

یبنی لا تشرک باللّٰہ۔ان لشرک لظلم عظیم (لقمان پارہ ۲۱ ع ۲/۱۱)

ترجمہ: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالے کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اس میں کوئی شک نہیں کہ شرک بڑا ہی ظلم ہے۔

شرک کو ظلم کی جتنی اقسام ممکن اور متصور ہو سکتی ہیں سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالے کی رحمت کے غیر محدود دائرہ میں اس گناہ کے مرتکب کے لیے عفو کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ باقی سب گناہوں کے لیے عفو کی امید دلائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء و من یشرک باللّٰہ فقد افتری اثماً عظیماً ٥ (النساء پارہ ٥ ع ۴/۷)

ترجمہ: اس بات میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ اللہ تعالے اس جرم کو بخشے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے اور اس کے سوا باقی سب گناہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا تو اس نے اللہ تعالے پر بڑا ہی طوفان باندھا۔

اسی مضمون کی تائید میں بہت سی آیات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا یہی مفہوم ہے کہ شرک کے لیے اور اس کے مرتکب کے لیے عفو نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو مندرجہ ذیل چند آیتوں کو جن کا ہم نے مشتے از خروار نمونہ نشان دیا ہے۔

(سورہ النساء پارہ ۵ ع ۱۴/۱۷)

(سورہ المائدہ ۶ ع ۱۴/۱۰)

(سورہ الانعام ۷ ع ۱۶/۱۰)

(سورہ النساء ۶ ع ۳/۳۳)

(سورہ الانعام ۷ ع ۱۵/۹)

(سورہ الحج ۱۷ ع ۱۱/۴)

پس جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ اللہ تعالے نے ہر قسم کے مجرموں کو معافی کی امید دلائی ہے اور مشرک کے عفو سے ہر جگہ انکار کیا ہے تو ثابت ہوا کہ اسلام کے قانون میں شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اور نہ ہی مشرک سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ ظالم متصور ہو سکتا ہے۔ آیت وافی ہدایت (الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانهم بظلم) الانعام پارہ ساتواں ع ۹/۱۵ کے اندر لفظ ظلم سے مراد بقرار تشریح آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم شرک لیا ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جن ظالمین کو بنی نوع انسان کی امامت اور قیادت کے حق سے محروم کیا گیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جو شرک کے مرتکب ہوں۔

نتیجہ

پس جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جو مشرک ہوں کو بنی نوع انسان کی امامت کے حق سے محروم کر دیا گیا تو دوسری

قوموں کے اندر جو لوگ شرک پیشہ ہوں اور ان کو اپنی بت پرستی پر ویسا ہی ناز ہو جیسے کہ سچے مسلمان کو اپنے اسلام پر تو ایسا مشرک مسلمانوں کے سیاسی زندگی کا اور سیاسی امور کے شعبہ کا کیسے زمام دار بن سکتا ہے۔ اسلام کے اندر سیاسیات سے بڑھ کر کوئی اہم شعبہ نہیں ہے۔ یہ مسلم زندگی کا وہ نازک اور خطرناک شعبہ ہے جس کے مواخذہ سے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اور بدری ایسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نہ بچ سکے تو دوسروں کو کیا طمع ہو سکتی ہے کہ وہ سیاسیات اسلامی کو بازیچہ اطفال بنا سکیں۔ اس آیت کو ہم پہلے درج کر چکے ہیں دوبارہ کی حاجت نہیں۔ یہاں فقط اس کا نشان بتا دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ آیت سورہ الانفال پارہ دسواں ع ۹/۵ اس آیت کا ابتداء بدیں الفاظ ہے:

لولا کتاب من اللہ سبق.

اصل اسلام کا امیر یا امام خود مسلم قوم کے اندر سے ہونا چاہیے نہ کہ غیر مسلم اقوام کے اندر سے

اس بارے میں اللہ تعالے نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

یایها الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم.(النساء پارہ پنجم رکوع ۸/۶)

ترجمہ: اے مسلمانو! اللہ تعالے کا حکم مانو، اور اللہ تعالے کے رسول کا حکم مانو، اور تم مسلمانوں کے اندر جو صاحب حکومت یعنی جو تمہارے مسلم امیر ہیں ان کا حکم بھی مانو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کی خصوصاً سیاسی امور کی زمام خاص اپنے مسلم لیڈروں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے نہ کہ مشرکوں کے ہاتھ میں۔

تعجب

ہمارے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ایسے علمی مجالس سے دور افتادہ معارف دینی سے تہی دست پہاڑوں کے اندر گمنامی کی زندگی بسر کرنے والے لوگ ہندوستان کے اندر بسنے والے سیاسی لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کو خاص کر ارباب دیوبند اور وہاں کے فارغ التحصیل فضلاء کو دیکھتے تھے کہ وہ اندھا دھند گاندھی ایسے رئیس المشرکین کو اپنے سیاسی امور کا پیشوا، اور امام بنا کر اس کے ہر حکم اور فیصلہ **کو کالوحی مبرا عن الخطا** قرار دے کر اس کی بجا آوری میں کچھ ہچک محسوس نہ کرتے۔ بلکہ اس کی پیروی کو اپنا قومی فخر سمجھ کر ایک دوسرے پر مسابقت کی کوشش کرتے ہیں۔ برعظیم ہند کی سیاسیات کی زمام جو ہمیں اسلاف رحمہم اللہ (سلطان اورنگزیب، سلطان ٹیپو، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید اور بہادر شاہ ظفر) کی طرف سے ہمارے ہاتھوں میں پشت بہ پشت منتقل ہوتی چلی آرہی تھی وہ ہماری سوچی سمجھی غلطی کی وجہ سے مشرک قوم کے حوالے کردی گئی اور دیدہ و دانستہ ہم نے اپنی کہتری اور اپنے حریف (ہندو قوم) کی مہتری مان لی۔ وہ قوم جو کل تک ماموم تھی امام بن گئی اور وہ جو مقتدا تھا مقتدی بن گیا۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر جب سے ارباب دیوبند نے ملکی سیاست کی زمام ہندو قوم کے سپرد کی اب تک مسلمانوں کے مال و جان کو، اس کی عزت و ناموس کو مشرکین کے ہاتھ سے جس

قدر نقصان ہندوستان کے مختلف حصوں میں پہنچا یا پہنچ رہا ہے اس کی علت کا سراغ لگایا جاوے تو یقیناً ۱۹۲۰ء والی غلطی کے سوا کچھ نہ پایا جائے گا۔ تعجب بالائے تعجب اس بات پر ہے۔ کہ آیات بینات۔

(۱)لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا (المائدہ پارہ ہفتم ع ۱۱/۱)

(۲)ما یود الذین کفروا من اہل الکتب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم (البقرہ پارہ اول ع ۱۳/۱۲)

(۳)ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء و یبسطوا الیکم ایدیھم و السنتھم بالسوء و ودوا لو تکفرون (الممتحنہ پارہ ۲۸ ع ۱/۷)

(۴)ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء (النساء پارہ پنجم ع ۱۲/۶)

اور اس کے علاوہ بہت سی دوسری آیات کی موجودگی میں بڑے بڑے ارباب علم و فضل کی نظروں سے اتنی بڑی اہم لغزش جس میں مسلم قوم کی روحانی سیاسی زندگی کے لیے موت کلی کا پیغام تھا کیوں اوجھل رہی۔ ہندو مشرک قوم پر بھروسہ کرنے کی اور اس کو اپنا سیاسی امام ماننے کی آخر کیا وجہ ہوئی؟ بعض عقید تمندوں کو حضرات دیوبند کی طرف سے یہ عذر کرتے ہوئے سنا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے یعنی ہندو قوم کو سیاسیات میں امام نہ بناتے تو انگریز انہیں اور ان کی مسلم قوم کو پیس ڈالتا تو ہم کہتے ہیں کہ جیسا ہم نے آیات بینات جو مشرک قوم کی اسلام دشمنی کے بارے میں ڈھنڈورہ پیٹ رہی ہیں جس طرح وہ سب کی سب

ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں، اسی طرح ہندو قوم کی گذشتہ تاریخ کی یاد بھی ہمارے دماغ سے اتر گئی۔ یا اسفاو یا حسرتا! ہم نے نہ سمجھا کہ ہندو قوم قدیم شاہی اقوام ہند سے باوجود اس کے کہ انہوں نے ان کا مذہب اور ان کی تہذیب سب قبول کر لی تھی، حیوانوں سے زیادہ برا سلوک روا رکھا (۲) اس قوم نے بدھ مذہب کو کہ وہ بھی ہندوستان کی پیدائش تھی، کس طرح ہند سے ناپید کر دکھایا (۳) اکبر مغل نے ہر طرح سے ان کی دلجوئی کی اور اپنی مسلم قوم کے ساتھ ان کی خاطر مدۃ العمر برے سے برا سلوک کرتا رہا مگر وہ اس کی نہ بنتی تھی، نہ بنی اور اس کی اولاد اور اس کی سلطنت کی جب تک پوری طرح سے بیخ کنی نہ کر لی، صبر نہ کیا۔ ہندو قوم اپنی خود غرضی اور کیریکٹر کی کمزوری ہر موقعہ پر دکھاتی رہی۔ سلطان ٹیپو، حضرت سید احمد، سلطان ظفر کے زمانے میں وہ کیا تھا جو اس قوم نے ہمارے ساتھ نہ کیا؟ ہر موقع پر وہ دھوکا دیتی رہی۔ پھر اس پر بھروسہ کرنا اور مسلم قوم کی داخلی تنظیم اور اس کی اسلحہ بندی کے مسائل سے غافل ہو جانا کہاں کا سیاسی شعور اور مذہبی فراست ہے؟ آج جو برعظیم ہند میں مسلم قوم پر سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھ سے مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں یہ سب ان ابتدائی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے واسطے ان لوگوں کو جنہوں نے اتنے خطرناک حالات کے اندر اپنے سارے دشمنوں سے مسلم قوم کا استقلال منوایا، کو ذمہ دار ٹھہرانا محض سینہ زوری ہے۔ اگر مسلمانوں کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کا ایک مرکز ہوتا تو ہرگز مسلم قوم کو سکھوں اور ہندو مشرکین کے ہاتھ قتل و غارت اور بے آبی کے یہ زہرہ گداز مناظر دیکھنے نہ پڑتے۔ اگر ہمارا اتفاق مضبوط ہوتا تو نہ انگریز کو اور نہ اس کی حلیف ہندو قوم کو ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت ہوتی اور نہ ہی ملکی سیاسیات کی زمام ہمارے ہاتھ سے نکلنے پاتی۔ جن لوگوں نے یورپ کی درسگاہوں میں تربیت پائی

ہے ان کا ہمیں گلہ کرنے کا کیا حق ہے۔ جب ہم خود اسلامی سیاست کو چھوڑ کر یورپ کے جمہوری اصولوں کے پابند بن بیٹھے۔ اس قسم کی سیاسی کشمکش کو جہاد کے نام سے تعبیر کرنے لگے۔ اصل یہ ہے کہ اسلامی سیاست کا مسلک اختیار کرنا ہمیں ناگوار گزرا اور ایک سہل طریقہ پر چلنا ہمیں پسند آیا اور اندھا دھند ہندو قوم کی تقلید میں لگ گئے۔ اسلامی طریقہ کار کو وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ لے یا اسے انبیاء علیہم السلام کا سا سیاسی شعور ہو یا ان کی اندھی تقلید کا والہانہ جذبہ۔ اس بارے میں کسی نے مناسب حال رباعی کہی ہے۔

یادر طلب غم فزوں مے باید
یا خواہش یافت دیدہ خوں مے باید
سرمایہ ایں کار نہ آنست و نہ ایں
یا عقل تمام یا جنوں مے باید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر و شرک کی نجاست سے دنیا کو پاک کرنے اور اس کی جگہ اللہ کا قانون جاری کرنے کا عالمگیر پروگرام جو اللہ تعالے کی طرف سے ملا۔ اس کی تعمیل کے بارے میں آپ کی ذات خاص کو خطاب کر کے اللہ تعالے یوں حکم دیتا ہے۔

فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک و حرض المؤمنین (النساء پارہ پنجم ع ۱۱/۸)

ترجمہ: پس اے پیغمبر! تو دشمنان اسلام سے تن تنہا لڑ (اس عالمگیر پروگرام کی

تعمیل کے واسطے) سوائے تیری ذات کے (میرے ہاں سے) کوئی مکلف نہیں ہے اور (ہاں البتہ) تو مومنوں کو ترغیب دے سکتا ہے کہ (وہ تیرے ساتھ اس کام میں شریک ہوں)۔

عالم اسلام کے تمام فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مادر گیتی نے شروع سے حضرت محمد ﷺ جیسا کوئی برگزیدہ اور باکمال فرزند پیدا نہ کیا اور آئندہ بھی تا روز قیامت پیدا نہ کرے گی۔ اللہ تعالے ایسی عدیم المثال ہستی کو اسلامی پروگرام کی تعمیل کی خاطر موت کے منہ میں تنہا گھسیٹتا ہے۔اور کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ جو جنگ میں جاتا ہے تو وہ ننانوے فیصدی موت کا یقین لے کر میدان میں حاضر ہوتا ہے۔ پس ہماری زندگی کی ایسے بزرگ نبی ﷺ کی زندگی کے سامنے کیا حقیقت اور کیا قیمت کہ ہم اس فانی چیز کو بچانے اور آسودہ حال رہنے کے خیال سے یا جھوٹی شہرتوں کا مرکز بننے کی غرض سے میدان جنگ میں جانے سے جی چرائیں اور ہندوستان کے اندر اسلامی رنگ میں انقلاب پیدا کرنے کا وہ ہمہ گیر پروگرام جو ہم مسلمانوں کی ذات خاص لے لیے مخصوص تھا اور اس میں کسی غیر کی شرکت روانہ تھی ہم نے دوسروں کو امام اور خود مقتدی بن کر انجام دینا چاہا۔ چونکہ یہ طرز عمل قانون قدرت کے منشا کے خلاف تھا اس لیے ہمیں ہر قدم پر ٹھوکر کھانی پڑی۔ مگر ہماری بے حسی اور کوتاہ اندیشی نہایت ہی قابل تعجب اور حیرت ہے کہ ہم آخروقت تک نہ سنبھل سکے۔

اللھم الھمنا رشدنا و اعذنا من شرور انفسنا

استفتائے (ج ا)

امیر کی اطاعت کے حدود کہاں تک ہیں؟

امیر کی اطاعت کے حدود

امیر اسلام کے احکام کی پابندی اور پیروی اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ وہ احکام شرعی کے مخالف نہ ہوں۔ اگر اس کے احکام میں سے کسی حکم کے اندر معصیت الٰہی کا اندیشہ ہے تو اس حکم کے اندر اس کی اطاعت کرنا لازمی نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

(الف) لا طاعة فی معصية انما الطاعة فے المعروف (متفق علیه عن انسؓ كذا فی المشكوة كتاب الامارة)

ترجمہ: گناہ کے کاموں میں کسی کی اطاعت نہیں اطاعت تو صرف بھلے اور معروف کاموں کے اندر ہونی چاہیے۔

اس فرمان کی مزید تاکید مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

(ب) السمع و الطاعة على المرء المسلم فيما احب و كره فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة (متفق علیه عن ابن عمرؓ كذا فی المشكوة كتاب الامارة)

ترجمہ: مسلمان آدمی پر امیر کا حکم سننا اور اس کی فرمان برداری کرنا خواہ اسے پسند آئے یا ناپسند واجب ہے۔ جب امیر ایسا حکم دیوے جس میں اللہ تعالے کی

معصیت پائی جاتی ہو تو اس کا حکم اس وقت نہ سننے کے لائق ہے اور نہ فرمانبرداری کے

اس مضمون کی مزید توثیق اس حدیث میں پائی جاتی ہے۔ جو نواس بن سمعان سے بدیں الفاظ ہے:

(ج) عن النواس ابن سمعان قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (رواہ فی شرح السنة کذا فی المشکوة کتاب الامارة)

ترجمہ: مخلوق کا کوئی حق نہیں کہ جس کام میں اللہ تعالےٰ کی معصیت پائی جائے اس کے اندر اس کی اطاعت کی جاوے۔

اس مضمون کی تائید میں ایک جامع آیت قرآن مجید میں یوں ہے۔

(د) و تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللّٰه ان اللّٰه شدید العقاب (المائدہ پارہ ٦ ع ١/٦)

ترجمہ: اور بھلے اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم و جور کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو (اور اللہ کے غضب و غصہ سے) ڈرو کیونکہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے۔

استفتائے/۲

امیر کو شرعی عیوب کی بناء پر معزول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

دلیل از حدیث شریف

امیر کو اس کے منصب امارت سے معزول کرنے کا اس وقت تک کسی کو حق نہیں جب تک کہ اس کے اندر کھلم کھلا کفر نہ دیکھا جاوے۔ اگر کھلم کھلا اس کو کفر اختیار کرتے ہوئے نہ پایا جاوے تو اس کے ساتھ اتفاق رکھنا اور اس کے احکام کی بجا آوری لازم ہے خواہ وہ اس کو پسند آئیں یا نہ آئیں۔ سخت معلوم ہوں یا نرم، اس کی اطاعت واجب ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اس بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

عن عبادة بن الصامت قال بايعنا رسول الله صلى الله عليه و سلم على السمع و الطاعة فى العسر واليسر والمنشط و المكره و على اثرة علينا و على ان لا ننازع الامر اهله و على ان نقول الحق اينما كنا لا نخاف لومة لائم و فى رواية ان لا تنازعو الامر اهله الا ان تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان. (متفق عليه كذافى المشكوة باب الامارة)

ترجمہ: روایت ہے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ان باتوں پر۔

(۱) ہم امیر کا حکم سنیں گے اور اس کے فرمان کی اطاعت کریں گے خواہ وہ حکم سخت ہو یا نرم خواہ زمانہ موافق ہو یا مخالف

(۲) اگر امیر ہم پر کسی غیر مستحق شخص کو ترجیح دیوے تو ہم اس کی مخالفت نہیں کریں گے۔

(۳) اور امارت کو امیر کے ہاتھ سے نہیں نکالیں گے۔

(۴) اور جہاں کہیں بھی ہم ہوں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھاتے ہوئے سچی بات بولنے سے نہ چوکیں گے اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ:

(۵) امیر سے اس کی امارت تم اُس وقت تک ضبط نہ کرنا جب تک اسے اعلانیہ کفر اختیار کرتے ہوئے نہ دیکھو اور اگر تم امیر کو اعلانیہ کھلم کھلا کفر اختیار کرتے ہوئے دیکھو تو اس وقت تمہارا امیر سے اس کے منصب امارت سے علیحدہ کر دینے میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے ایک پختہ دلیل ہو گی۔

دلیل از فقہ شریف

عقائد نسفی اہل السنت و الجماعت کے عقائد کے بارے میں ایک بہت مشہور اور مسلمہ کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امیر کو اس کے منصب امارت سے فسق و فجور اور ظلم و جور کی بنا پر معزول نہ کیا جاوے۔ اصل الفاظ کتاب مذکور کے بقرار ذیل ہیں:

ولا یعزل الامام باالفسق و الفجور

ترجمہ: اور امام کو اس کے فسق و فجور، اور ظلم و جور کی بنا پر معزول نہیں کیا جائے گا۔

دلیل از حجۃ اللہ البالغہ

حکیم الامۃ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی آخری تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں انعقاد خلافت و امارت کے چار طریقوں میں سے آخری طریق کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے:

ثم ان استوی من لم یجمع الشروط لا ینبغی ان یبادر الی المخالفة لان خلعه لا یتصور خالیاً الا بحروب و مضایقات و فیها من المفسدة اشد مما یرجی من المصلحة (حجة الله البالغه الجزء الثانی ۱۱۱)

ترجمہ: پھر اگر ایسا شخص برسر اقتدار آجاوے، جس میں وہ ساری شرطیں جو خلیفہ کے لیے ضروری ہیں نہیں پائی جاتیں تو اس کی مخالفت میں جلدی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کو خلافت کے منصب سے علیحدہ کرنے میں بہت سے جھگڑے رگڑے کرنے پڑیں گے۔ پھر جس مصلحت کی امید اس کے برطرف کرنے میں مطلوب تھی، اس سے بڑھ کر اس کے برطرف کرنے میں انتشار اور فتنہ و فساد رونما ہو جائے گا۔

پھر آپ نے اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے لکھا ہے:

والفتنة اشد من القتل (قرآن)

ترجمہ: اور فتنہ و فساد کا نتیجہ قتل و قتال سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔

پھر آپ کچھ آگے چل کر اسی مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس قسم کے نااہل امیروں کو ہم برطرف نہ کر دیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا الا ان اتوا کفراً بواحاً) ہر گز نہیں ہر گز نہیں البتہ اگر وہ کھلم کھلا اعلانیہ کفر اختیار کر لیں (تو تم اسے برطرف کر سکتے ہو)۔

ایک غلط مفہوم کی تردید

اس تحریر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ امیر کے حقوق تو سب پر ہیں مگر اس پر کسی کا حق نہیں اور وہ بالکل غیر مسئول ہستی ہے کہ جو چاہے سو کر گزرے۔ ہر گز ایسا نہیں بلکہ اس پر اس قدر ذمہ داریاں ہیں کہ اگر ارکین دولت پاکستان کے دل میں رتی بھر بھی ان کا احساس ہو تو کیا عجب کہ وہ آخرت کی مسئولیتوں سے بچنے کے لیے اپنے اپنے منصب سے دستکش ہو جائیں اور ان منصوبوں کو زیر ارشاد نبوی ﷺ (نعمت المرضعة و بسئت الفاطمة) سمجھ کر کوئی ان میں سے ان کے نزدیک پھٹکنے نہ پائے اور اگر کوئی منصب قبول بھی کرتا تو اسی صورت میں کرتا کہ وہ پہلے اپنے تئیں صدیقی اور فاروقی کیریکٹر کا مالک بنا لیتا۔

باب پنجم

استفتائے سوئم

کیا ایسی صورت میں جبکہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے کسی پاکستانی مسلمان کا انفرادی طور پر رضاکارانہ اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی حمایت میں شریک جنگ ہونا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر وہ ایسا کریں تو کیا ان کا یہ فعل اللہ تعالے کے فرمان (وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الاعلے قوم بینکم و بینهم میثاق واللہ بما تعلمون بصیر (الانفال) کی صریح خلاف ورزی تو نہیں؟ (۳) کیا اس آیت میں یہ بات روز روشن کی طرف واضح نہیں ہے کہ اگر ہماری سرحد پار کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگیں تو ہم صرف اسی صورت میں ان کی حمایت میں جنگ کر سکتے ہیں جبکہ ظلم کرنے والی حکومت یا قوم کے ہماری پاکستان حکومت کے درمیان معاہدانہ تعلقات نہ ہوں۔ اور اگر معاہدانہ تعلقات ہوں تو کیا مذکورہ بالا فرمان اس بات کی ناقابل انکار دلیل نہیں ہے کہ ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کے دکھ اور درد سے کتنا ہی گداز ہو، ہم پاکستانی مسلمان اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی حمایت میں کوئی انفرادی یا اجتماعی طور پر جنگی کاروائی نہیں کر سکتے۔ اور اگر کر سکتے ہیں تو فقط ایک ہی صورت میں اور وہ یہ کہ ہماری نمائندہ حکومت ہندوستان سے کیا ہوا معاہدہ اس کے منہ پر کھلم کھلا دے مارے۔ اور بغیر کسی لگی لپٹی کے اس کے برخلاف اعلانیہ اعلان جنگ کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے:

و اما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین (الانفال)

ترجمہ: اور اگر تم کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کے ساتھ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو۔ (یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جاوے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالے بد عہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بظاہر دوستی کا دم بھرنا اور در پردہ اس کے بر خلاف جنگی تجاویز اور عملیات کرنے یہ کھلم کھلا منافقت ہے۔ اسلامی اخلاق سے بعید اور یورپ کی ڈپلومیسی ہے۔ اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے یا تو ہم کسی قوم کے ساتھ معاہدہ نہ کریں اور اگر کریں تو اسے پوری ایمانداری اور صداقت سے نبائیں اور اگر دیکھیں کہ فریق ثانی معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو مذکورہ بالا فرمان کے ماتحت اس کا معاہدہ اس کو پھیر دیں۔ پھر ہم آزاد ہیں کہ جو چاہیں اس کے برخلاف عسکری اقدامات کریں۔

الجواب

معلوم ہوتا ہے کہ مستفتی کی جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی ان ہفت گانہ وجوبات پر نظر نہیں ہے جن میں ہر ایک وجہ اس کے وجوب کے لیے ناقابل انکار دلیل بن سکتی ہے ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد کشمیر جو ساتوں وجوبات کا جامع ہونے کی بنا پر وقت کی جملہ عبادات اور فرائض میں سے افضل عبادت اور اہم فریضہ، کا تائیدی پہلو اختیار کرنے کی بجائے وہ پہلو اختیار نہ کرتا جو اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو عوام کی نظر میں گھٹا کر ان کے ولولہ جہاد کو ٹھنڈا کرتا اور ان کو جہاد میں پیچھے رہ جانے یا سرے سے اس میں شامل نہ ہونے کے لیے ایک شرعی

حیلہ بہم پہنچاتا۔

وقت کی عدیم المثال فروگذاشت

مستفتی کو جہاد کشمیر کی حدود متعین کرنے میں ایک بڑی فروگذاشت ہوئی ہے اور اس سے بڑھ کر اس کی وہ فروگذاشت ہے کہ اس نے جن آیات سے دلیل پکڑ کر پاکستانی مسلمانوں کو بطریق انفرادی یا اجتماعی رضاکارانہ طور پر جہاد کشمیر میں ان کی شمولیت اور امداد کو غیر شرعی قرار دیا ہے، ان ہی کے اندر اس کے بیان کی کافی تردید موجود ہے۔ کسی دوسری آیت سے دلیل پکڑنے کی حاجت نہیں رہتی۔ مستفتی صاحب ان آیات سے پاکستان کے مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ جب تک ان کی نمائندہ قومی حکومت اس معاہدے کو جو اس نے ہندوستان حکومت کے ساتھ ایک دوسرے کے برخلاف جنگ نہ کرنے کے متعلق کیا ہے بغیر کسی لگی لپٹی کے اس کے منہ پر کھلم کھلا نہ دے مارے اور اسے جنگ کا باقاعدہ الٹی میٹم نہ دے۔ اس وقت تک انہیں کشمیر کی جنگ میں شامل ہونا اور اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی رضاکارانہ امداد کرنا شرعاً جائز نہیں۔ خواہ ان پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ ہو اور ان کی مظلومیت سے ان کا دل کتنا ہی گداز کیوں نہ ہو۔ ورنہ ان کا یہ فعل معاہدہ کی صریح خلاف ورزی پر مبنی ہوگا۔ بالفاظ دیگر اگر سانبہ، کھٹوعہ، جموں، اکھنور، کشمیر، پونچھ، میرپور، نوشہرہ، راجوری، بھنبھر، مظفر آباد وغیرہا تمام قلمروئے ریاست سے فرزندان اسلام کا نام و نشان ڈوگروں اور سکھ درندوں کے ہاتھ سے مٹ مٹا جاوے۔ ان کی مستورات کی ہزار عصمت دری کیوں نہ ہو ان کی لڑکیوں اور بچوں کو زبردستی اسلام سے برگشتہ کر کے سکھ اور ہندو کیوں نہ بنا لیا جاوے۔ مگر مستفتی کے نزدیک ان آیات کے رو سے پاکستان کے

اندر بسنے والے مسلمانوں میں سے کسی کو ان مظلوموں کی حمایت میں تلوار اٹھانا جائز نہیں۔ ہم ان آیتوں کو مع ترجمہ قارئین کرام کی یادداشت کی تازگی کے واسطے یہاں درج کر دیتے ہیں۔

مستفتی کی پہلی دلیل

والذین امنوا و لم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شئی حتی یھاجروا فی سبیل اللّٰہ۔و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق و اللّٰہ بما تعملون بصیر (الانفال ٦/١٠)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر وہ (دارالحرب) سے ہجرت کر کے تمہارے پاس (دارالاسلام) میں نہیں آئے ان کی ولایت سے (یعنی دوستی سے) تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ وہاں سے ہجرت کر کے تمہارے پاس نہ آ جاویں۔ ہاں اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر واجب ہے مگر کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

مستفتی کی اپنے بیان کی تائید میں دوسری آیت

مستفتی صاحب اپنے بیان کی تائید مزید کے لیے دوسری آیت جو پیش کرتے ہیں مندرجہ ذیل ہے:

و اما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیھم علی سواء ان اللّٰہ لا یحب الخائنین (الانفال پارہ ١٠ ع ٧/٣)

ترجمہ: اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت (یعنی بد عہدی) کا اندیشہ ہو تو برابری کے ساتھ ان کا معاملہ ان کی طرف پھینک دو (یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالے خائنین کو یعنی بد عہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا ہر دو آیتوں سے مستفتی کا استدلال

مذکورہ بالا ہر دو آیتوں سے مستفتی اپنے اس دعوی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر پاکستان دولت کی سرحد کے اس پار کسی مسلم آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم پاکستانی مسلمانوں سے مدد مانگے تو ہم صرف اسی صورت میں ان کی مدد کر سکتے ہیں جبکہ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ہمارے قومی حیثیت سے معاہدانہ تعلقات نہ ہوں۔ لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو ہمارا دل خواہ اپنے بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کاروائی نہیں کر سکتے۔

رہا یہ سوال کہ اس ظالم قوم نے ہمارے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہیں کی تو ہم کیوں اس کے معاملہ کا احترام ملحوظ رکھیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے یہ سیاسی اخلاق ہمیں نہیں سکھایا ہے۔ یہ اخلاق ایک کافر قوم کے لیے زیبا ہو تو ہو مگر ایک مسلم قوم کے لیے ہرگز زیبا نہیں کہ ظاہر میں معاہدہ قائم ہو اور در پردہ ایک دوسرے کے برخلاف معاندانہ کاروائیاں بھی کی جارہی ہوں۔ یہ کھلم کھلا منافقت ہے اسلامی اخلاق سے بعید یورپ کی ڈپلومیسی ہے۔ اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ یا تو ہم کسی قوم کے ساتھ معاہدہ نہ کریں اور اگر کریں تو اسے پوری ایمانداری اور صداقت سے نباہیں۔ اور اگر دیکھیں کہ فریق ثانی

معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو مذکورہ فرمان کے ماتحت اس کا معاہدہ اس کو پھیر دیں۔ پھر ہم آزاد ہیں کہ اس کے برخلاف عسکری اقدامات کریں۔

آیات کے معانی صحیح مگر ان سے استدلال غلط

ہم کہتے ہیں کہ مستفتی نے مذکورہ بالا ہر دو آیتوں کے معانی تو صحیح بتائے ہیں مگر ان سے جس بات کا استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں۔ وہ پاکستانی مسلمانوں کے اس فعل کے ساتھ کہ وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر رضاکارانہ کشمیر کی جنگ میں شریک ہوں، کوئی جوڑ میل نہیں رکھتا۔ یہ اس لئے کہ:

(الف) آیت: (و اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیهم علی سواء)

سے جو ہمیں صحیح راہ نمائی حاصل ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ فریق ثانی نے ابھی تک پاکستان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو نہ توڑا ہو۔ ہاں ایسے آثار اور قرائن موجود ہوں جن سے پاکستان کو یہ اندیشہ ہونے لگے کہ فریق ثانی اپنے معاہدے کو امروز فردا میں ضرور توڑ ڈالے گا تو اس صورت میں پاکستان کے امیر کو اسلام اجازت دیتا ہے کہ بجائے اس کے کہ فریق ثانی معاہدہ کی اعلانیہ خلاف ورزی کرنے پائے وہ خود اپنی طرف سے بدوں کسی لگی لپٹی کے اس کا معاہدہ کھلم کھلا اس کے منہ پر پھینک مارے۔ اس کے بعد جو چاہے اس کے برخلاف جنگی کاروائیاں کرے، نہ یہ کہ:

(ب) فریق ثانی معاہدے کی خلاف ورزی علانیہ کر چکا ہو دوست دشمن اس کی بد عہدی اور خیانت گری کا معترف ہو اور ہر نئے معاہدہ کی سیاہی خشک نہ ہونے دیتا ہو کہ اسے توڑ ڈالتا ہو۔ جیسے کہ مندرجہ ذیل واقعات اس کی بد عہدی کی ناقابل انکار

شہادت دیتے ہیں:

(۱) ہنوز معاہدہ کے کاغذات تصدیق ہو کر بمشکل فریقین کے ہاتھ میں پہنچے ہوں گے کہ حکومت ہندوستان میوات کے مسلمانوں کا جو قتل عام مدت سے ہو رہا تھا اسے بند کرنے کی بجائے اس نے اس کی رفتار بدرجہا زیادہ تیز کر دی۔ انہی حالات سے مسلمانوں کو دہلی، بمبئی، یوپی، کوہستان ہمالیہ وغیرہ غرض ہندوستان کے ہر صوبہ کے ہر ضلع، ضلع کی ہر تحصیل اور گاؤں میں دوچار ہونا پڑا۔ مسلم اقلیت کے مال و جان عزت و ناموس، مذہب و تہذیب زبان و کلچر کی حفاظت کا جو وعدہ پاکستان سے کیا تھا، اور اسے یقین دلایا تھا کہ انڈین یونین کے زیر سایہ ہر جگہ وہ اور ان کے مخصوص حقوق محفوظ رہیں گے۔ کسی قسم کی حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔ مگر اس نے اپنے وعدوں کی ایسی مٹی پلید کی جس کی مثال تارخ عالم میں نہ ملے گی۔

(۲) تبادلہ آبادی کا مسئلہ فقط مشرقی پنجاب کے حدود تک محدود تھا۔ اس میں دہلی، راجپوتانہ، مالوہ، بمبئی، سی پی، یوپی، بہار، مغربی بنگال اور مدراس وغیرہ کے صوبے شامل نہ تھے۔ اور تبادلہ کا کام بھی نہایت پرامن طریقہ سے انجام دیا جانا قرار پایا تھا۔ مگر انڈین یونین نے ان باتوں کے اندر اپنے معاہدہ کو قطعاً ملحوظ نہ رکھا اور نہ صرف مشرقی پنجاب سے بلکہ کم و بیش مذکورہ بالا تمام صوبوں سے سکھوں ہندوؤں کی فوج اور پولیس کی مدد سے ہر جگہ مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں کو زبردستی نکالا گیا اور ان پر وہ وہ ظلم کئے گئے جن کو دنیا کے کان اور آنکھ نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ دیکھا تھا۔ لاکھوں جوان گاجر مولی کی طرح تہ تیغ کئے گئے۔ لاکھوں عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ لاکھوں نوجوان لڑکیوں کو اپنے ہاں روک لیا گیا۔ اور ان کے ساتھ جو معاملہ دن رات ہو رہا ہے، وہ ہر آزاد مسلم کے جذبات کو ذلیل کرتا ہے۔ یا ان مظلوم لڑکیوں کو سکھ درندوں کے ہاتھ سے آزاد کرائے یا زمین کی سطح پر چلنے

سے اس کے پیٹ میں دفن ہو جاتے۔ ہزاروں بچوں کو سکھ اور ہندو بنا لیا گیا تاکہ ان سے گائے، بیل چرانے کا کام اور دوسری ذلیل خدمات کرائی جائیں۔ جن بدقسمت عورتوں کو پاکستان آنا نصیب ہوا، تو مادر زاد برہنہ صورت میں، اکثر کے ناک کان اور پستان کٹے ہوئے تھے۔ مذہبی کتابوں اور مسجدوں کی ہر جگہ بے حرمتی کی گئی۔

(۳) پاکستان کے حصہ کا دفتری ریکارڈ جن ڈبوں میں دہلی سے کراچی کو روانہ کیا گیا۔ ان سب ڈبوں کو مع صدہا محافظین اور ملازمین ہنوز ریل گاڑی دہلی سے زیادہ دور نہ جانے پائی ہوگی کہ ڈائنامائٹ سے اڑا دیا گیا۔

(۴) پاکستان کے حصہ کا نقد سرمایہ جو کئی کروڑ تھا اسے مدتوں دہلی میں روکے رکھا۔

(۵) پاکستان کے حصہ کا سامان حرب جو کروڑہا پونڈ کی مالیت کا ہے اسے ابھی تک روک رکھا ہے ملنے کی کوئی توقع نہیں۔

(۶) ریلوے کے انجن، مال اور سواری گاڑیوں کے ڈبے، ٹیلیگراف اور مشینری کا کروڑوں روپیہ کا سامان جو پاکستان کے حصہ میں آیا تھا، وہ شیر مادر کی طرح ہضم کر لیا گیا۔

(۷) نہروں کے پانی اور پاور ہاؤس سے بجلی کو روک کر پاکستان کی فصلوں اور انڈسٹری کو کروڑہا روپے کا نقصان ہر موقع پر فصل پر برابر پہنچایا جاتا ہے۔

(۸) ہر آئے دن پاکستان کی سرحدوں پر انڈین یونین کے ہوائی جہاز بمباری کرتے ہیں۔ سرحدی آبادی پر سکھوں کے ذریعے ڈاکے ڈلوائے جاتے ہیں۔

(۹) ہندوستان کے اندر بسنے والے مسلمانوں پر جھوٹے الزام لگا کر ذبح کئے جا رہے ہیں

ٹھونسا جا رہا ہے اور جو ان کے اندر سرمایہ دار ہیں ان پر بغاوت کا جھوٹا الزام لگا کر ان کا سرمایہ ضبط کیا جا رہا ہے۔

(۱۰) علی گڑھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ جو خالص اسلامی درسگاہیں تھیں کو بزور شدھ کیا جا رہا ہے۔ اردو کی بجائے سنسکرت مروج کی جا رہی ہے۔

(۱۱) جونا گڑھ وغیرہ کی اسلامی ریاستوں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا ہے اور وہاں کی مسلم آبادی کو تہ تیغ کر کے وہاں سکھ اور سندھی بسائے جا رہے ہیں۔

(۱۲) یہی حال کشمیر کا ہے۔ ڈوگرہ اور سکھ ریاستوں کی فوج کے ہاتھ سے بے پناہ مظالم کٹھوعہ، جموں، سانبہ، اکھنور، رنبیر سنگھ پورہ، راجوری، نوشہرہ، پونچھ وغیرہ کے مسلمانوں پر توڑے گئے اور توڑے جا رہے ہیں۔ جس طرح فلسطین میں باہر سے یہود کو لا کر بسایا جا رہا ہے تاکہ عرب آبادی اقلیت میں ہو جائے۔ اسی طرح باہر سے سکھوں اور ہندوؤں کو لا کر کشمیر اور جموں کے تمام اضلاع اور دیہات میں آباد کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج عن البلاد کے ذریعہ ان کی اکثریت کو اقلیت میں بدلا جا رہا ہے۔

ضروری سوال

ہم مستفتی صاحب سے اور ان کے سوا تمام ان لوگوں سے جو معاہدہ دولتین کی آڑ لے کر جہاد کشمیر کی شمولیت سے خود بھی الگ رہتے ہیں اور اپنے ساتھ صدہا ہزار دوسرے لوگوں کو بھی زبان حال یا قال سے مانع ہو رہے ہیں سے مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں پوچھتے ہیں کہ:

آیا انڈین یونین نے اپنے معاہدات کو توڑ ڈالا ہے یا ابھی تک نہیں توڑا؟ یا ایسے قرائن اور آثار پائے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ

امروز فردا میں خواہ مستقبل قریب میں خواہ مستقبل بعید میں ضرور توڑ ڈالے گی؟ ان دونوں باتوں سے کون سی بات صحیح ہے؟ اگر انڈین یونین نے مدت ہوئی شروع روز ہی سے اپنے معاہدہ کو توڑ ڈالا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس نے ایک بار نہیں ہر بار تجدید کرنے کے بعد فوراً اسے توڑا ہے تو اسے آیت نمبر۲ کے پہلے حصہ (و اما تخافن من قوم خیانة) کے معانی سے دیدہ دانستہ غلط نتائج اخذ کر کے مشرکین ہند کو فائدہ دلانا اور پاکستان حکومت کو خواہ مخواہ اسی آیت کے دوسرے حصہ (فانبذ الیہم علی سواء) کا مکلف گردانا اور پاکستانی مسلمانوں کو اپنے ہمجوار کشمیری مسلمانوں کے بے دریغ قتل اور ان کی بے حرمتی کا پرلے درجہ کی بے غیرتی کے ساتھ تماشبین بنانے اور ان کے غم میں شریک نہ ہونے کی راہ پیدا کرنا۔ کیا قرآن مجید کے صحیح مفہوم کے اندر صریح تحریف نہیں ہے؟ اس تحریف میں اور مولانا ابوالکلام کی تحریف میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ مستفتی صاحب نے آیت کے معنی تو عربی قواعد کے لحاظ سے لکھے ہیں مگر ان سے غلط نتائج اخذ کئے ہیں جو ہندو قوم کی تعبیر اور مسلم قوم کی تخریب میں اس سے بدرجہا زیادہ اثر انداز ثابت ہو سکتے ہیں جو مولانا ابوالکلام نے اپنے رسالہ اسلام اور جنگ کے اندر قرآن مجید کی ایک آیت کے معانی میں علانیہ تصرف اور بے باکانہ تحریف کر کے ہندو قوم کے ہاتھ بطور ایک حربہ کے دیئے ہیں۔ ہم اس آیت کو بمعہ اس کے اصلی اور مولانا ابوالکلام والے معانی کے ساتھ یہاں پہلو بہ پہلو درج کرتے ہیں تاکہ وہ ہندو قوم کی طالعمندی اور اپنی بد نصیبی کا باہم موازنہ کرسکیں اور پاکستانی مسلمان جان سکیں کہ ان کے مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ سے سہواً یا عمداً کیسی کیسی غلطیاں ہو رہی ہیں جو اپنوں کی تخریب اور غیروں کی تعمیر کے سلسلہ میں ایسی عدیم المثال خدمات انجام دینے کا سبب بن رہی ہیں کہ

اگر اغیار کروڑہا روپیہ کا بوجھ جنگی مصارف میں برداشت کرتے اور ہزاروں لاکھوں فوجی نوجوان میدان جنگ میں قربان کرتے پھر بھی ان کو ان سیاسی اور اقتصادی فوائد کا عشر عشیر نصیب نہ ہوتا جو ان کے یعنی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کی سہواً یا عمداً غلطیوں سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

فلا تهنوا و تدعوا الى السلم و انتم الاعلون (محمد پ ۲۶ ع ۴/۸)

صحیح معانی:

پس اے مسلمانو! تم بودے نہ بنو اور اپنی طرف سے پیغام دے کر دشمنوں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ اور جانتے رہو کہ آخر کار تم ہی غالب رہو گے۔

ابوالکلام کے معانی:

پس اے مسلمانو! تم بودے نہ بنو اور اپنے دشمنوں کو برابر صلح کا پیغام دیتے رہو اور جانتے رہو کہ آخر کار تم ہی غالب رہو گے۔

حق تعالے مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ اس وقت تک کہ وہ ہتھیار نہ ڈال دیں زیر فرمان (حتی تضع الحرب اوزارها) جنگ جاری رکھنے کی اور ان کی طرف سے کسی قسم کا پیغام صلح نہ بھیجنے کی ترغیب دیتا ہے اور اگر وہ اس کی اس راہ نمائی کو قبول نہ کریں تو انہیں بزدل اور بودا قرار دیتا ہے۔ مولانا ابوالکلام مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے سے اور ان کی خدمت میں بطریق استمرار و دوام صلح کا پیغام برابر بھیجتے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اگر مستفتی صاحب کے مفہوم کے مطابق پاکستانی مسلمان کشمیر کی جنگ میں اپنی شرکت اور شمولیت کو اللہ اور رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف

کر اپنے ہمجوار ان نہتے مسلم بھائیوں کو ڈوگرہ اور انڈین یونین کی متحدہ فوجی طاقت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ وہ ملک جسے پاکستان بمنزلہ اپنی شاہ رگ کے سمجھتا ہے ہندو قصاب کی چھری کے نیچے آ جائے گا اور کشمیر کے وہ پہاڑ جنہیں پاکستانی مسلمان اپنے اور انڈین یونین کے درمیان بمنزلہ سد سکندری کے قائم اور دائم رکھنا اپنا مذہبی اور سیاسی فرض سمجھتے ہیں کے اندر چھید ہو جائے گا۔ اور ہندوازم کا یاجوجی ماجوجی سیلاب نہ صرف پاکستان کو بلکہ افغانستان اور سارے عالم اسلام کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جانے کی جرات کرے گا۔ العیاذ باللہ۔

نبذ عہد کے اعلان کی ضرورت

زیر بحث آیت کے رو سے پاکستان نبذ عہد کے اعلان کا اس وقت مکلف ہو سکتا ہے جبکہ انڈین یونین نے ہنوز عہد توڑا نہ ہو۔ ہاں ایسے قرائن اور آثار موجود ہو چکے ہوں جس سے پاکستان کو غالب اندیشہ ہو کہ امروز فردا میں اپنا عہد ضرور توڑ ڈالے گی۔ جب انڈین یونین ایک بار نہیں ہزار بار اپنے عہد کو اپنے روزمرہ کے فعل سے توڑ چکی ہو تو ایسی صورت میں کسی عالم دین کا حکومت پاکستان کو اس بات کا مکلف ٹھیرانا کہ وہ نبذ عہد کا اعلان کرے، محض سینہ زوری اور قرآن مجید کے معانی کے اندر ایک علانیہ تحریف ہے۔ نادان سے نادان سمجھ سکتا ہے کہ معاہدہ کا تحقق دو فریق کے اندر ہوتا ہے اور جب ایک فریق نے معاہدہ کو توڑ ڈالا تو اس کے بعد دوسری جانب سے معاہدہ کے برقرار رہنے کے کیا معنی؟

معاہدہ کا وجود ہی جب ختم ہو گیا تو اب نبذ کس چیز کا؟

جب دشمن نے عہد توڑ ڈالا تو حکومت اسلام کو اعلان جنگ یا خفیہ تیاری میں سے کونسا مسلک اختیار کرنا ہوگا؟

دشمن نے جب عہد توڑ ڈالا تو حکومت اسلام دشمن سے جنگ کرنے کی اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے پوری مجاز اور مختار ہے اور اگر اس کی تیاری پہلے سے مکمل ہے تو وہ مکلف ہے کہ فوری حملہ کردے جیسا کہ ہم نے باب اول میں وجوب جہاد کی پانچویں صورت کے ذیل میں بیان کیا ہے یا آئندہ زیر عنوان (نبذ عہد کی صورت میں امام المسلمین کے فرائض) کسی مناسب موقعہ پر بیان کریں گے۔ مگر حکومت اسلام اس بات کی ہرگز مکلف نہیں ہے کہ جب دشمن نے عہد توڑا تو وہ اعلان جنگ کرتی پھرے بلکہ اسے وہ مسلک اختیار کرنا چاہیے جو آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی عہد شکنی کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ اس اجمال کی شرح بقرار ذیل ہے:

ہجرت کا چھٹا سال اور ذیقعد کا مہینہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر عمرہ کی نیت سے مکہ کو روانہ ہوئے۔ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے بنی خزاعہ قبیلہ کے ایک آدمی کو قریش کی خبر لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ وہ خبر لایا کہ قریش اہل اسلام کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو مطلع کریں کہ آپ ﷺ نے محض عمرہ کی نیت سے یہ سفر اختیار کیا ہے، جنگ وجدال مقصود نہیں ہے۔

اس دوران مشہور ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے چودہ سو صحابہ کرامؓ سے جنگ

میں آخر دم تک ثابت قدم رہنے کی بیعت لی۔ قرآن مجید نے اس بیعت کو بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ سب ایک مسلمان کے خون ناحق کا بدلہ لینے کی خاطر ہوئی۔

عروہ بن مسعودؓ قریش کے اندر ایک بڑا عمر رسیدہ اور ذی اثر شخص تھا۔ اس نے قریش کو مصالحت پر آمادہ کیا اور سہیل بن عروہ کو شروط طے کرنے پر مامور کیا۔ منجملہ شروط کے چند ایک جو مضمون زیر بحث کے لیے ضروری ہیں وہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

(صلح کی معیاد دس سال ہو گی۔ سب لوگ اس دوران ایک دوسرے سے بے خوف رہیں گے)

(۱) اس دوران کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا جاوے خواہ وہ اسلام کو قبول ہی کر چکا ہو، وہ مکہ والوں کو واپس کرنا ہوگا۔ برخلاف اس کے کہ جو شخص مدینہ سے مکہ جاوے اسے اہل مکہ واپس نہیں کریں گے۔

(۲) (کان فیما اشترط سهیل بن عمرو علی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم انه لا یاتیک منا احد و ان کان علے دینک الا رددته الینا و خلیت بیننا و بینه، (الخازن الجزو السابع صحیفه ٦٣)

(۳) اور یہ کہ (وان بیننا و بینک عیبة مکفوفة) پہلے کے تمام جھگڑے اور لڑائیاں قابل مواخذہ نہ سمجھی جائیں گی۔

(۴) اور یہ کہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ رہے گا۔ یعنی کوئی کسی سے مکرو فریب نہیں کرے گا۔ اور دوستوں کی طرح ایک دوسرے پر اعتبار کرے گا۔ جنگ سے کنارہ کرے گا۔ صلح کو پورا کرے گا۔

(۵) اور یہ کہ: (وان لا اسلال و لا اغلال) پوشیدہ اور ظاہر کسی طرح ایک دوسرے کے خلاف جنگ کا انتظام نہ کرے گا۔

(٦) اور یہ کہ جو شخص یا جو قبیلہ چاہے رسول اللہ ﷺ کا حلیف اور معاہد بنے چاہے قریش کا۔

قریش کی طرف سے عہد شکنی اور فتح مکہ کا واقعہ

معاہدہ مذکورہ کے ماتحت بنی بکر کا قبیلہ قریش کا اور بنی خزاعہ اہل اسلام کا معاہد بن گیا۔ اس صلح سے بہت پہلے سے بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان قتل و قتال کا سلسلہ جاری چلا آ رہا تھا۔ صلح کو بمشکل دو سال نہ گزرنے پائے ہوں گے کہ بنی بکر نے بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ جس میں قریش نے اپنے معاہد فریق یعنی بنی بکر کی اسلحہ سے امداد کی اور رات کو چھپ کر ان کی طرف سے جنگ میں بھی شرکت کی۔ بنی خزاعہ نے بھاگ کر حرم شریف میں پناہ لی۔ مگر بنی بکر نے حرم شریف کا بھی لحاظ نہ کیا۔ بنی خزاعہ کے لیڈر عمرو بن سالم آنحضرت ﷺ کے پاس مدینے پہنچے اور اپنی مظلومیت اور قریش اور بنی بکر کی عہد شکنی کے واقعہ کو ایک دردناک قصیدہ کی صورت میں بیان کیا۔

قریش کا اضطراب اور معاہدہ صلح کی تجدید اور تمدید کی کوشش

عمرو بن سالم خزاعی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امداد کا یقین دلایا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ ابر کا یہ ٹکڑا بھی تمہاری فتح و نصرت کا طالب ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا وفد بنی خزاعہ کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچا اور قریش کے برخلاف استغاثہ کیا اور استعانت چاہی۔

ابوسفیان جو قریش کا سب سے بڑا جنگی بہادر لیڈر تھا اس وفد کو مکہ شریف کے پاس عسفان میں ملا اور پوچھا کیا تم مدینے سے آ رہے ہو؟ اس وفد نے انکار کیا۔ مگر ابوسفیان اس عہد شکنی کے نتائج سے اس قدر بیقرار تھا کہ اس نے نہ مانا اور ان سواری کی لید میں کھجور کی گٹھلیاں دیکھ کر چلا اٹھا اور کہا کہ اللہ کی قسم تم لوگ مدینے گئے تھے۔

اس کے فوراً ہی بعد ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی لڑکی امُ المومنین امُ حبیبہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے باوجود اپنا حقیقی باپ ہونے کے ان کی پذیرائی میں قطعاً کوئی دلچسپی نہ لی۔ حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے بھی نہ دیا۔ وہاں سے افسردہ دل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس گیا۔ مقصد بیان کیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت ابوُبکر صدیقؓ کے پاس، پھر حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس پھر حضرت علیؓ کے پاس گیا۔ کسی نے اس کی نہ سنی۔ حضرت فاطمہؓ سے التجا کی۔ انہوں نے عذر کر دیا۔ پھر مسجد میں آیا اور عام مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان میں کوئی اہل مکہ کو اپنی جوار میں لینے کا اعلان کر دے (راقم الحروف یہ شاید اس لیے کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں ہے کہ ایک مسلمان کا کسی کو پناہ دینا سب مسلمانوں کی طرف سے سمجھا جائے گا، کوئی اس پناہ کو نہیں توڑ سکتا)۔

عن علیؓ عن النبی صلے اللہ علیہ و سلم قال المسلمون تتکافوا دماءھم و یسعی بذمتھم ادناھم و یرد علیھم اقصاھم و ھم ید علی من سواھم الا لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عھد فی عھد ہ رواہ ابو داؤد و النسائے کذافی المشکوۃ کتاب القصاص

ترجمہ:۔ ابو سفیان مکہ میں پہنچا تو لوگوں نے اس کی کارکردگی کو اچھا نہ سمجھا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم اس کے سوا اور کوئی صورت مجھے نظر ہی نہیں آتی تھی۔

حاطب بن ابی بلتعہؓ کی جاسوسی کا واقعہ

ابو سفیان کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو عام جنگی تیاری کا حکم دے دیا اور اپنے گھر والوں کو بھی اسلحہ جنگ درست کرنے کا حکم دیا۔ مگر یہ کسی کو نہ بتایا کہ کس کے ساتھ جنگ کا ارادہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی بیٹی ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا جبکہ وہ اسلحہ درست کر رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ نے حلفاً کہا واللہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے پیش نظر جو مکہ میں تھے، قریش کو محض اپنے اندازے پر ایک خط لکھا کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ جنگ کا ہے۔ سامان درست ہو رہا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کس طرف کا ارادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس بات کا انکشاف ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت مقدادؓ کو اس عورت کے تعاقب پر بھیجا۔ انہوں نے اس عورت کو مقام روضۃ الخاخ پر جس کا نشان آپ ﷺ نے پہلے سے دے رکھا تھا، جا پکڑا خط بھی پکڑا گیا۔ شرعاً اس کی سزا قتل تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدری ہونے کی وجہ سے اسے معاف کر دیا۔ اس پر سورۃ الممتحنہ اتری جس میں اس جاسوسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی:

تسرون الیھم بالمودة و انا اعلم بما اخفیتم و ما اعلنتم و من یفعله منکم فقد ضل سواء السبیل. (سورہ الممتحنه پ ۲۸ ع ۱/۷)

ترجمہ: تم چپکے چپکے (میرے اور اپنے دشمنوں) کی طرف دوستی کا پیغام دوڑا رہے ہو- حالانکہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر ظہور کرتے ہو اور جو کوئی تم میں سے اس قسم کا کام کرے وہ سمجھ لے کہ وہ راہ راست سے بالکل بھٹک گیا-

جنگ کی تیاریوں کے دوران آپ ﷺ ہمیشہ خیبر کا حال پوچھتے رہتے تھے تاکہ عوام کی توجہ خیبر کی طرف پھری رہے کہ اس درمیان میں مذکورہ بالا واقعہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا پیش آیا- جس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابن کثیر نے سورۃ الممتحنہ کے نزول کے باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بدین الفاظ نقل کیا ہے-

عن علی لما ارد النبی صلے اللّٰہ علیه و سلم ان یاتی مکة اسر الی الناس من اصحابه انه یرید مکة و افشی فی الناس انه یرید خیبر فکتب حاطب بن ابی بلتعته.

اور ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ ان دنوں یہ دعا کیا کرتے تھے (اے اللہ! قریش کی آنکھیں ہمارے سے اندھی کردے ان کو ہمارے حالات سے بالکل بے خبر رکھ تاکہ ہم یکایک ان کے ملک میں حملہ آور ہوں- اس دعا کے اصل الفاظ تاریخ طبری ۱۶۲ میں یوں ہیں:-

اللھم خذالعیون و الاخبار عن قریش حتے نبغتھا فی بلادھا .

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار صحابہ جانباز کا لشکر ہمراہ لے کر مدینہ سے مکہ کی طرف ماہ رمضان کی دسویں تاریخ کو روانہ ہوئے۔ اس درمیان میں ابوسفیان اور قریش کے دوسرے لیڈر مکہ سے باہر نکل نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تجسس حال میں بہت کوشش کرتے رہتے تھے مگر کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ قریش کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ ان کو اس وقت تک کچھ خبر نہ ہوئی جبکہ ناگہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار قدسیوں کے لشکر سمیت مرالظہران کے مقام پر پہنچ گئے جو مکہ شریف سے صرف چار فرسنگ دور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنگی اقدام کو اس خوبی اور رازداری سے انجام دیا کہ وہ خون کے پیاسے دشمن جو گذشتہ اکیس سال سے عرب کی تمام غیر مسلم طاقتوں کی مدد سے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کی بیخ کنی اور امحائے کلی کے سلسلہ میں جان توڑ کوششیں کر رہے تھے، کو اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ اپنی مدافعت میں کسی ادنیٰ ترین فوجی تدبر کا مظاہرہ کر پاتے۔ قریش کے لیڈروں کو سوائے سر تسلیم خم کرنے اور عذر خواہی کے چارہ نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی رحمتہ للعالمینی شان کا اظہار فرماتے ہوئے سب کو معاف کر دیا۔ اس بلند اخلاقی سے سب لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ بلاچون وچرا سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

شہادت تفسیر خازن

مستفتی صاحب نے آیت و اما تخافن من قوم خیانته فانبذ الیهم علی سواء کی رو سے اس بات کے ثابت کرنے کی عبث کوشش کی ہے کہ دشمن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہونے کی صورت میں بھی پاکستان حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنی طرف سے خوامخواہ اس

عہد کے نبذ کا اعلان کرے جسے دشمن توڑ چکا ہے اور اگر ایسا کئے بغیر وہ دشمن کے برخلاف کوئی جنگی کاروائی کرے گی تو اس کا یہ فعل اسلامی نہ ہوگا بلکہ یہ وہ منافقت ہوگی جسے یورپ کی اصطلاح میں ڈپلومیسی کہتے ہیں۔ ہم مستفتی صاحب کے اس بیان کی کمزوری کو آنحضرت ﷺ کے اس مسلک کی روشنی میں دکھاتے ہیں جسے تفسیر خازن نے مذکورہ بالا آیت کے معانی ذیل میں بیان کیا ہے

واما تخافن من قوم خيانته (اى اماتعلمن من معاهدين اثار الغدر) فانبذ اليهم على سواء (فاطرح اليهم عهدهم وارم به اليهم على طريق ظاهر مستو يعنى اعلمهم قبل حربك اياهم انك قد فسخت العهد بينك و بينهم حتى تكون انت وهم فى العلم بنقض العهد سواء. واما اذاظهر نقض العهد ظهورا مقطوعاً به فلا حاجة للامام الى نبذ العهد بل يفعل كما فعل رسول الله صلى الله عليه و سلم باهل مكة لما نقضوا العهد بقتل خزاعة و هم فى ذمة رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم فلم يرعهم الا و جيش رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم بمرالظهران و ذلک على اربع فراسخ من مكة (الخازن . الجزء الثالث صحيفه ٣٦)

ترجمہ: اور اگر تجھے کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو یعنی اگر تجھے عہد کرنے والوں کی طرف سے بدعہدی کے قرائن اور آثار معلوم ہوں تو ان کا عہد بغیر کسی لگی لپٹی کے کھلم کھلا برابری کے طریق پر ان کے منہ پر دے مارے یعنی ان کے برخلاف کسی

جنگی کارروائی کرنے سے پیشتر ان پر یہ بات پوری طرح واضح کر دے کہ جو عہد تیرے اور ان کے درمیان تھا وہ ٹوٹ گیا۔ یہاں تک کہ (بغیر کسی شک و ابہام کے) عہد شکنی کی آگاہی دونوں فریق کو برابر اور یکساں ہو جاوے اور اگر معاملہ یوں ہو کہ (دشمن نے) کھلم کھلا واضح طور پر عہد کی خلاف ورزی کی ہو تو اس صورت میں امام المسلمین کو نبذ عہد کے اعلان کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اسے وہ مسلک اختیار کرنا چاہیے جو (اس موقعہ پر) آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ جنہوں نے بواسطہ قتل بنی خزاعہ کے صلح حدیبیہ کے عہد نامہ کو توڑا تھا۔ حالانکہ بنی خزاعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں داخل تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے دشمن کو کسی قسم کی اطلاع دہی نہ کی اور اچانک آپ ﷺ کا لشکر مرالظہران کے مقام پر پہنچ گیا جو مکہ شریف سے صرف ۴ فرسنگ کی دوری پر تھا۔

فقہ حنفیہ کی شہادت

ابوبکر خصاص المتوفی ۳۷۰ھ اپنے وقت کے عالم اجل اور فقہ حنفیہ کے بلند پایہ اساطین میں سے تھے۔ وہ مشرکین کی عہد شکنی کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی مشہور آفاق تصنیف "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"اگر فریق معاہد کوئی ایسا عمل اختیار کر لے جو منافی معاہدہ ہو تو امام کو اب ضروری نہیں کہ اپنی طرف سے عہد شکنی کی اطلاع فریق ثانی کو دے بلکہ وہ آزاد اور مختار ہے کہ دشمن کے برخلاف جو جارحانہ کاروائی کرنا چاہے کرے۔ جیسا کہ سرور عالم ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر کیا تھا۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالے سے دعا کی کہ اے اللہ قریش کی آنکھوں کو پکڑے رکھ ان کو ہمارے حال کی بالکل خبر نہ ہو تا کہ ہم یکایک ان کے ملک پر حملہ آور ہو سکیں۔

مذکورہ بالااشہادتوں کے نتائج

قرآن واحادیث، فقہ اور تاریخ کی مذکورہ بالااشہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر دشمن معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو۔

(۱) امام المسلمین کو حاجت تو درکنار اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ جس عہد کو دشمن نے توڑ ڈالا ہے اس کے توڑنے کا وہ بھی اعلان کرے جسے مستفتی صاحب نے اپنے استفتا کی بنیاد قرار دے کر موجودہ جنگ کشمیر کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینے سے انکار کیا ہے اور مسلمانوں کو خاص کر پاکستان والوں کو اس کے اندر شامل ہونے سے روکا ہے۔ اگرچہ ان کے سامنے ہندوستان کے چار کروڑ، کشمیر اور پونچھ کے لاکھوں مسلمان، مرد، عورت، مشرکین کے ہاتھ سے گائے بیل کی طرح ذبح ہو جائیں اور مسلم عورتوں کی بے دریغ عصمت دری ہوا کرے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے طرز عمل کو اسے کھلم کھلا منافقت اور یورپ کی ڈپلومیسی سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) جب دشمن نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہو تو مسلمان اور امام المسلمین اس معاہدہ کی پابندی سے بالکل آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس بعد وہ دشمن کو اس کی بد عہدی کی سزا دینے کے لیے جو کاروائی کرنا چاہیں دشمن کو جنگ کا الٹی میٹم دیئے بغیر نہایت رازداری اور اخفا کے ساتھ کر سکتے ہیں۔

(۳) نبذ العہد کا اعلان امام المسلمین پر صرف اسی صورت میں عائد ہو سکتا ہے جبکہ دشمن نے ہنوز معاہدہ کے اندر بددیانتی اور خیانت نہ کی ہو۔ البتہ ایسے قرائن اور آثار موجود ہیں جن سے امام المسلمین کو قوی احتمال ہو کہ دشمن امروز فردا میں اپنا عہد توڑ ڈالے گا۔ ایسی صورت میں امام المسلمین کا فرض ہے کہ بجائے اس کے کہ

دشمن کو وہ عہد توڑنے کا موقع دے۔ خود اپنی طرف سے کھلم کھلا بغیر کسی لگی لپٹی کے دشمن کا عہد دشمن کے منہ پر مارے تا کہ وہ معاہدہ کو بحال خود برقرار سمجھ کر کسی غفلت میں نہ پڑا رہے۔

(۴) دشمن کی بدعہدی کے بعد امام المسلمین کا اعلان جنگ کے بغیر اپنی جنگی تیاریوں کا صیغہ راز میں رکھنا ہی عین منشائے اسلام اور سراسر کردار نبوی کی اتباع ہے نہ کہ کھلم کھلا منافقت اور یورپ کی شیطانی ڈپلومیسی ہے۔

(۵) جنگی تیاریوں کے متعلق دشمن کو اطلاع دینا یا اس کے لئے جاسوسی کا کام کرنا اسلام کے نزدیک ایسا سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے کہ اس کے لئے اس کے ہاں موت سے کم درجہ کی کوئی سزا نہیں ہے اور زیر فرمان: سمعون لقوم اخرین (المائدہ پ ٦ . ٦/١٠) ایسا کام کرنے والا گروہ اس امت مرحومہ کا یہودی خصال عنصر ہے۔

مقام عبرت

افسوس ہم مسلمانان پاکستان کا دل و دماغ ایسا ماؤف ہو چکا ہے کہ اپنے خونخوار اور درندہ سیرت دشمنوں کی ان اعلانیہ جنگی تیاریوں سے بھی عبرت پذیر نہیں ہوتا جو وہ پاکستان کی بیخ کنی کے ارادہ سے کر رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ عہد شکنی کرنے والے غدار اور خائن دشمن کے اعمال پر نکتہ چینی کی جاتی اور اسے از روئے انصاف اور حق پرستی مورد الزام ٹھہرایا جاتا الٹا پاکستان اور پاکستان کے ان جانبازوں پر اعتراض سوجھتا ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر کشمیر کی جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کو ڈوگرہ اور ہندو راج کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے اس میں مال و جان سے شمولیت

کرنا چاہتے ہیں۔ معاہدوں کی آڑ لے کر نہ تو خود اپنے پڑوسیوں کی غم شریکی کا حق ادا کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ادا کرنے دیتے ہیں۔ کیا ہمارا یہ طرزِ عمل ہمیں زیر فرمان:

وهم ينهون عنه و ينئون عنه و ان يهلكون الا انفسهم و ما يشعرون (الانعام پ ۷ ع ۳/۹)

دونوں جہاں کی بدبختی اور شقاوت کا مستوجب تو نہیں ٹھیراتا؟

درخواستِ مؤدبانہ

ہم مستفتی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں سے پھر درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر ان آیات اور احادیث کی روشنی میں نظرِ ثانی کریں جو ہم نے عہد شکن دشمن کے بارے میں اوپر بیان کی ہیں اور اس مسلک کو اپنے لیے مشعلِ راہ بناویں جو آنحضرت ﷺ نے عہد شکن دشمنوں کے متعلق اختیار کیا تھا۔ اصحاب کہف کا طرزِ عمل بھی جو سورہ الکہف پارہ ۱۵ کے اندر مرقوم ہے۔ امام المسلمین کو مفادِ عامہ کے پیش نظر جنگی رازداری کے محفوظ رکھنے میں بہت کچھ مدد دے سکتا ہے۔ واللہ اعلم

رکھا ہے۔ جو ایک لمبی حدیث کے آخری ٹکڑا میں یوں آیا ہے:

سما الحرب خدعة (كذافي المشكوة باب الملاحم)

پس مذکورہ بالا ہدایت نبوی ﷺ کے زیر اثر اگر دولت پاکستان اپنی اندرونی کمزوریوں یا جنگی سامان کی کمی کی وجہ سے عہد شکن اور پرلے درجہ کے خائن اور باسامان دشمن کو دم دلاسہ دے کر اپنے لیے [illegible]فت پیدا کر رہی ہوتا کہ وہ بھی

ایک حد تک دشمن کے حملوں کی مدافعت کے لیے کچھ نہ کچھ تیاری کرے۔ پاکستان کا یہ فعل کھلی منافقت نہیں بلکہ مذکورہ بالا حدیث کی عطا کردہ سہولتوں سے استفادہ کرنا ہے۔

تنبیہ

ہم پچھلے صفحوں میں بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی سیاسیات کا میدان نہایت خطرناک ہے۔ اس کی نیکیاں بھی فضیلات اور ثواب کے لحاظ سے عدیم المثال ہیں اور اس کی لغزشیں بھی ویسی ہی خطرناک ہیں۔ حتیٰ کہ ہادی برحق کی ذات اور بدری ایسے صحابہ کرامؓ کو بھی مواخذہ بارگاہ الہیٰ میں پکڑتی ہیں اوروں کا تو کیا کہنا۔ اس میدان کی بعض لغزشیں ایسی بھی ہیں کہ اللہ رحیم و کریم کی رحمت کے دائرہ میں ان کے لیے عفو کی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ ہادی برحق محمد ﷺ بھی ان کی عفو کے واسطے ایک بار دو بار نہیں بلکہ اکٹھے ستر مرتبہ سفارش کریں تو بھی معاف نہ ہوں اور جو کوئی ان مخصوص سیاسی غلطیوں کا مرتکب ہو جاوے تو اس کی قبر پر کھڑے ہونے اور اس کا نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت بھی سرور کائنات رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ ملے۔ اس لیے اس میدان میں قدم رکھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے اور نہ ہی کسی مسلم کو یہ اجازت ہے کہ سیاسیات اسلامی کے بارے پیشتر اس کے کہ کوئی کلمہ زبان سے نکالا جائے یا قلم سے کچھ لکھا جائے ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا یہ قول اور ہماری یہ لکھت آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی شان میں کسی گستاخی اور بے باکی (قل أ باللہ و ایاتہ و رسولہ کنتم تستھزون) (التوبہ پ ۱۰ ع ۸/۱۴) کی گرفت میں تو نہیں لاتا؟ دشمن کی عہد شکنی کے بعد اس کی تادیب اور تعزیر بلکہ عبرت ناک تعذیب کے واسطے اور اسے اسلامی اقتدار کے رو

بر وسر تسلیم خم کرنے کی غرض سے خفیہ جنگی تیاریاں کرنا مسلک نبوی ﷺ کے عین مطابق ہے اور اس کے اوپر ناگہاں ٹوٹ پڑنا بغیر کسی اطلاع دہی اور الٹی میٹم کے عین منشائے اسلام ہے۔ اسے منافقت اور یورپ کی ڈپلومیسی سے تشبیہ دینا بادی برحق علیہ الصلوۃ و السلام اور صحابہ کرامؓ کی شان میں پرلے درجے کی گستاخی اور ان کی اختیار کردہ جنگی تجاویز اور ان کے سیاسی شعور اور تدبر پر ایک (العیاذ باللہ) نہایت رکیک حملہ اور ناقابل برداشت نکتہ چینی اور عیب گیری ہے۔

مستفتی صاحب نے اپنی کوتاہ نظری سے پاکستان کے اس طرز عمل پر کہ وہ بظاہر تو ہندوستان سے دوستی کا دم بھرتا ہے اور در پردہ اس کے خلاف جنگی تجاویز اور عملیات کرتا ہے ناقابل برداشت نکتہ چینی کی ہے اور اس کی اس روش اور رویہ کو اس کی کھلم کھلا منافقت سے تعبیر کیا ہے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے یہ اس کی کم علمی اور اسوہ محمدی سے بے خبری کی دلیل ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ جنگی تدابیر کا سب سے بڑا ماہر یعنی آنحضرت محمد ﷺ نے جنگ کا نام ہی دشمن کو مغالطہ میں رکھنا رکھا ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث بروایت حضرت ابوہریرہؓ یوں ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے جنگ کا نام خدعہ

میں جو مسلک چاہے اختیار کرے۔ چاہیے کہ ہر پارٹی اپنی غلطی کو واپس لے۔ کیونکہ مسلمان کی شان ہی یہی ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور غلطی پر ہرگز اڑا نہ رہے۔ بلکہ

ولم یصروا علے ما فعلوا (النساء پ ۴ ع ۱۴/۵) کا مصداق بننے کی کوشش کرے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ

علیه توکلت و الیه انیب.

امام المسلمین پر عہد کی پابندی کی معیاد کب تک ہے

امام المسلمین پر عہد کی پابندی اسی وقت تک لازم ہے جب تک کہ فریق ثانی اس کا پابند رہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالے نے (فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم۔(التوبہ پ ۱۰ ع ۸/ ۲) ترجمہ: پس جب تک وہ یعنی مشرک عہد کی پابندی میں مستقیم رہیں تم بھی اس وقت تک عہد کی پابندی میں مستقیم رہو (ورنہ نہیں)۔

اور اگر وہ عہد کو توڑ ڈالیں تو ان کی سزا یہ کہ جہاں ان کو پاؤ ان کے قتل سے دریغ نہ کرو۔ ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ میں ان کی تاک میں بیٹھو اور اگر وہ توبہ کریں یعنی اسلام قبول کر لیں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں، تب ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالے بڑا ہی غفور رحیم ہے۔ یہ مندرجہ ذیل آیت کے معانی کا لب لباب ہے:

فاقتلوا المشرکین حیث و جدتموھم و خذوھم واحصروھم واقعدوالھم کل مرصد۔فان تابوا و اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم۔ان اللہ غفور رحیم (التوبہ)

انڈین یونین کی صحیح پوزیشن قرآن مجید کی روشنی میں

جو قوم اپنے عہد کو بار بار توڑ ڈالے تو قرآن مجید نے اسے شرالدواب کا خطاب دیا ہے اور اہل اسلام کو مکلف کیا ہے کہ اس کی بد عہدی کی اسے ایسی سخت سزا دیویں کہ اس کی آنے والی نسلیں اس سے ہمیشہ عبرت

پکڑیں۔ چنانچہ فرمایا:

ان شر الدواب عند اللّٰه الذین کفروا فهم لا یومنون الذین عهدت منهم ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة و هم لا یتقون فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون (الانفال پ ۱۰ ع ۴/۳)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب حیوانوں سے بد ترین حیوان وہ کافر ہیں جن سے تم نے صلح کا عہد و پیمان کیا پھر وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر بار توڑتے ہیں اور وہ بدعہدی کے وبال سے (مطلق) نہیں ڈرتے۔ پس اگر تم ان پر لڑائی میں قابو پاؤ تو ان کو ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پیچھے آنے والے ہیں وہ اس سے عبرت پکڑیں۔ ابن کثیر نے اس آیت کی شرح یوں کی ہے۔

فشردبهم من خلفهم لعلهم یذکرون معنا ه غلظ عقوبتهم واثخنهم قتلاً لیخاف من سواهم من الاعداء من العرب والعجم و غیرهم و یصیروا لهم عبرة. (ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲۰)

پاکستان کے اہم فرائض قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید پاکستان حکومت اور پاکستان کے اندر بسنے والی مسلم آبادی کو مکلف کرتا ہے کہ وہ بہر صورت عہد شکن قوم کے لیڈروں سے جنگ و جدال کریں۔ ایسا جنگ و جدال کہ آئندہ انہیں معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہمت نہ رہے۔ ایسے مشرکین سے جنہوں نے بدعہدی کی ہو اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا ہو اور ہر بار شرارت کی ابتدا ان کی طرف سے ہوتی ہو ان کے ساتھ

نہ لڑنے پر ایک گونہ ملامت کی ہے اور ان کی فوجی طاقت اور سرمایہ کی فروانی سے مرعوب نہ ہونے کی تلقین کی ہے اور مشرک قوم کے ساتھ بار بار لڑنے کی ترغیب دی ہے اور جنگ کی صورت میں ان سے چھ چیزوں کا وعدہ کیا ہے:

(۱) پاکستان کے کمزور ہاتھوں سے مشرکین ہند اور ان کی فوجی طاقت کو سزا دلانا۔

(۲) پاکستان کے کمزور ہاتھوں سے انڈین یونین کو رسوائے عالم بنانا۔

(۳) پاکستان کی کمزور حکومت کو انڈین یونین کی ناقابل تسخیر فوجی قوتوں پر غلبہ اور فتح دلانا۔

(۴) پاکستانی مسلمانوں کے دلوں میں جو اپنے مسلم بھائیوں کے قتل عام اور اپنی بہو بیٹیوں کی بے آبروئی سے انڈین یونین اور اس کی مشرک آبادی کے خلاف زخم پیدا ہو چکے ہیں ان کے اندمال کے لیے مرہم شفا بہم پہنچانا۔

(۵) مذکورہ بالا ظلم و جور کی وجہ سے پاکستانی مسلمانوں کے دل میں کینہ اور انتقام کی جو جلن پیدا ہو گئی ہے اسے انڈین یونین کی شکست و ہزیمت اور عالمگیر رسوائی کے ذریعہ دور کرنا۔

(۶) انڈین یونین کے اندر بسنے والی مشرک ا . غیر مسلم آبادی کے اکثر حصہ کو اسلام کی نعمت سے مشرف کرنا۔

یہاں پر قرآن مجید کی ان آیات کو قلمبند کرتے ہیں جو مذکورہ بالا نتائج کی ضمانت پاکستان حکومت کو اور پاکستان کی مسلم آبادی کو دیتی ہیں۔

(۱) وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون.

(۲) الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانہم و ھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونہم فاللّٰہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین

(۳) قاتلوھم یعذبہم اللّٰہ بایدیکم و یخزھم و ینصرکم علیہم و یشف صدور قوم مؤمنین ویذھب غیظ قلوبہم و یتوب اللّٰہ علے من یشاء۰واللّٰہ علیم حکیم

مذکورہ بالا آیات بینات سورہ التوبہ پارہ ۱۰ ع ۲/۸ کی ہیں۔ اگرچہ ان کا ترجمہ ہم ہفت گانہ وجوہات جہاد باب اول میں پانچویں وجہ سے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔ مگر یہاں دوبارہ درج کردیتے ہیں۔

ترجمہ: (۱) اگر مشرکین عہد کے پیچھے اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین کے اندر مینخ نکالیں تو تم لوگ اس نیت سے کہ یہ لوگ عہد کی خلاف ورزی اور دین اسلام کی توہین سے باز رہیں کفر کے سرغنوں اور لیڈروں کے ساتھ خوب لڑو۔

(۲) اے مسلمانو! تم ان مشرکین سے دل کھول کر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے گھر سے نکالنے کی سازش کی (یہاں پیغمبر تو نہیں، مگر آپ ﷺ کی امت کے لاکھوں افراد کو ان کے گھروں سے بلاوجہ جلاوطن کیا ہے) اور ان ہی مشرکین نے ہر بار شرارت کے اندر ابتداء کی ہے کیا تم (ان کی کثرت نفوس، سرمایہ کی فراوانی اور سامان حرب کی بہتات سے مرعوب ہو گئے ہو؟ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اگر تم سچے مسلمان ہو تو اللہ ہی (کی عظمت اور جلال) سے مرعوب ہونا چاہیے۔

(۳) اے مسلمانو! تم (ان عہد شکن فساد پیشہ مشرکین) سے ضرور لڑو۔ اللہ تعالے

اس کام کے چھ نتیجے پیدا کرے گا۔

(i) ان کو تمہارے (کمزور) ہاتھوں سے معذب کرے گا۔

(ii) اور ان کو ذلیل کرے گا۔

(iii) اور تم کو ان پر غلبہ دلائے گا۔

(iv) اور مسلمانوں کے سینوں کے لیے (جو کفار کی مسلم کشی اور مستورات کی عصمت دری کی وجہ سے) زخمی ہو چکے ہیں ان کے لیے مرہم شفاء بہم پہنچائے گا۔

(v) اور ان کے دلوں میں (مشرکین کے ظلم و جور کی وجہ سے) جو غیظ و غضب بھرا پڑا ہے اس کو نکالنے کی راہ پیدا کریگا۔

(vi) ان مشرکین میں سے جتنوں کو چاہے گا (اسلام کی نعمت سے سرفراز کر کے) اپنی مہربانی کا ظہور فرمائے گا اور اللہ تعالے صاحب علم اور صاحب حکمت ہے۔

فریضہ قتال برائے حکومت پاکستان و مسلمین پاکستان

مذکورہ بالا آیات میں مشرکین ہند کی عہد شکنی کی بناء پر حکومت پاکستان اور پاکستان کے اندر آباد ہونے والی مسلم آبادی کے ہر فرد کو مشرکین کیساتھ لڑنے مرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے اس کے علاوہ محض مسلمان کہلانے کے جرم میں انہیں ہندو مشرکین کے ہاتھ سے دکھ اور تکلیف پہنچی ہے اسی بناء پر حق تعالے نے اپنے مظلوم مسلم بندوں کی حمایت میں ان کی وکالت کرتے ہوئے پاکستان حکومت اور پاکستان کی مسلم آبادی کو ظالم دشمنوں سے لڑنے مرنے کے لیے یکساں مکلف کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیراً (النساء پ ٦ ع ١٠/٧)

ترجمہ: اور اے آزاد مسلمانو! تمہارے لیے کیا عذر ہے کہ تم راہ اللہ میں اور ان بے بس (مسلم) مردوں، عورتوں اور بچوں کی حمایت میں جو مشرکین کے بلاد میں آباد ہونے کی وجہ سے ان کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں مشرکین کے ظلم اور جور سے نجات دلانے کی خاطر نہیں لڑتے ہو (دن رات) میرے حضور میں یوں فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اس بستی سے ہمارے لیے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر یہاں کے لوگ ہم پر بڑا ہی ظلم کرتے ہیں اور تو خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی و سرپرست بنا اور خود ہی اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر کر۔

نوٹ:

اس آیت کو ہم نے وجوبات وجوب جہاد کی تیسری وجہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

کیا پاکستانی مسلمانوں کا انفرادی یا اجتماعی طور پر رضاکارانہ کشمیر کی موجودہ جنگ میں شریک ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جب کشمیر کی موجودہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ کے وجوب کی ہفتگانہ وجوبات کی بناء پر وقت کا سب سے بڑا اہم فریضہ ثابت ہو گئی اور نیز یہ بھی شرعی دلائل سے مستحقق ہو گیا کہ معاہدہ دولتین جسے کوہ ہمالیہ سے زیادہ مضبوط اور ناقابل عبور سمجھ کر کشمیر کی جنگ میں پاکستانی مسلمانوں کی شمولیت کو ناجائز قرار دیا جاتا تھا وہ تار عنکبوت سے زیادہ بودا اور کمزور نکلا۔ فریق ثانی نے علانیہ بدعہدی کر کے

اس کے وجود کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے پاکستان حکومت اور پبلک دونوں کو معاہدہ کی پابندی سے آزاد کر دیا کہ وہ دشمن کی اطلاع دہی کے بغیر اپنے مظلوم بھائیوں کی نجات کے واسطہ خواہ وہ ہندوستان میں ہوں یا کشمیر اور حیدر آباد دکن میں ہر قسم کی کاروائی کر سکتے ہیں۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دشمن کی عہد شکنی کے بعد ان پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ بلکہ ان کی ہر کوشش اس سلسلہ میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دارالکفر کو دارالاسلام بنانے کی رو سے یا اپنے مظلوم بھائیوں کو کفار کے جور و ستم اور غلامی سے نجات دلانے کی بناء پر عائد ہوتی ہے بجا لانے میں سستی اور غفلت برتیں تو وہ آسمانی عدالت کے روبرو اس درجہ گناہگار ہوں گے کہ شاید ان کی توبہ قبول ہو یا نہ ہو اور ان کو اللہ تعالے کی غیر محدود رحمت کے اندر حصہ ملے یا نہ ملے۔ قرآن مجید فریضہ جہاد کی بجا آوری میں حیلے بہانے کرنے والوں کو اس قسم کی سنگین سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے جو اس نے کسی دوسرے جرم کے واسطے تجویز نہیں کی۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ۔

پاکستان حکومت اور پاکستان کی مسلم پبلک پر ہفت گانہ وجوبات کی بنا پر بالعموم اور فرمان الہیٰ (و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال و النساء والولدان (سورہ النساء پ ٥) کے رو سے بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر قیمت پر ہندوستان کے اندر بسنے والے اور کشمیر اور حیدر آباد کے مظلوم بھائیوں کو مشرکین کی غلامی اور ان کے ظلم و جور سے نجات دلاویں اور جب تک کہ یہ خدمت سرانجام نہ دیں کسی دوسری طرف توجہ نہ کریں۔ بلکہ اپنی ساری دماغی اور مادی قوتوں کو فقط اسی ایک مسئلہ کے حل کرنے پر وقف رکھیں۔ پس اسی صورت میں خدانخواستہ اگر پاکستان حکومت سامان جنگ کی قلت یا بین الاقوامی الجھنوں کی وجہ

سے کسی وقت تک اپنا فریضہ ادا کرنے سے قاصر رہے تو یہ تو ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ پاکستان کی مسلم پبلک اپنے بھائیوں، بہنوں اور بیٹیوں کی مظلومیت کا تماشہ دیکھتی رہے اور ان کی فریاد رسی اور امداد کے لیے انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی کاروائی نہ کرے۔ اس بارے میں قرآن مجید میں قطع نظر اپنی پاکستانی حکومت کے ہمیں تنہا اپنا فریضہ ادا کرنے کی طرف بدیں الفاظ رہنمائی کرتا ہے۔

فانما علیه ما حمل و علیکم ما حملتم (سورہ النور پ ۱۸ ع ۷/۱۳)

ترجمہ: پس اصل بات تو فقط اتنی ہے کہ (امام المسلمین پر اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی کی ذمہ داری کا) جو بوجھ ڈالا گیا ہے اس کا وہ جواب دہ ہے اور جو بوجھ تم مسلمانوں پر ڈالا گیا ہے اس کے تم جواب دہ ہو۔

حدیث: فانما علیهم ما حملوا و علیکم ما حملتم (رواہ مسلم عن وائل بن حجر کذافی المشکوۃ کتاب الامارۃ)

ترجمہ: پس اصل بات تو یہ ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی کے جو فرائض ائمۃ المسلمین اور اراکین دولت پر عائد کئے گئے ہیں ان کی ادائیگی کے لیے وہ جواب دہ ہیں اور جو فرائض تم مسلمانوں پر عائد کئے گئے ہیں ان کی جوابدہی تم پر ہے نہ کہ ائمۃ المسلمین اور اراکین دولت پر۔

انفرادی طور پر جہاد کشمیر میں شمولیت کی ایک اور وجہ جواز

باب اول کے شروع میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نماز اور روزہ کی طرح قتال فی سبیل اللہ بھی ایک مکتوب فریض ہے۔ کیا کوئی سچا مسلمان اس بات پر رضامند کیا جا سکتا ہے کہ اگر اراکین دولت پاکستان سارے کے سارے نماز

فریضہ ادا کرنے میں سستی کریں اور اسے وقت مقررہ پر ادا کرنے کی بجائے بالکل ناوقت کر دیں یا سرے سے چھوڑ ہی دیں تو اللہ پرست انسان ان کی دیکھا دیکھی فریضہ نماز کو اپنے طور پر ادا کرنے سے کوتاہی کریں؟ کوئی شخص خواہ وہ پرلے درجے کا بے نماز ہو ہرگز اس مفروضہ کے ساتھ اتفاق نہیں کرے گا۔ بلکہ کہے گا تو فقط یہ کہے گا کہ دنیا بھر نماز پڑھنا چھوڑ دے مگر کوئی شخص ان کی دیکھا دیکھی نماز کے بروقت ادا کرنے سے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

مذکورہ بالا اصول کی بنا پر کسی شخص کو بغیر کسی شرعی عذر کے قتال فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے سے معذور نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اگر اراکین پاکستان قتال فی سبیل اللہ کا فریضہ بوقت ضرورت پر بجا لانے سے غفلت برتیں یا سرے سے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیں تو کیا اللہ پرست مسلمان اپنے طور پر اس فریضہ کے ادا کرنے سے پہلو تہی کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ نماز کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ہمیں بقرار ذیل وصیت فرمائی ہے:

عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و سلم کیف انت اذا کانت علیک امرء یمیتون الصلوۃ او یوخرون عن وقتھا قلت فما تامرنی قال صل الصلوۃ لوقتھا فان ادرکتھا معھم فصل فانھا لک نافلۃ (رواہ المسلم کذافی المشکوۃ باب تعجیل الصلوۃ)

ترجمہ: ابوذرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کرو گے جب تم پر ایسے امیر مقرر ہوں جو نماز کو مردہ کر دیں گے یا اس کو اس کے وقت سے موخر کر دیں گے تو میں نے عرض کیا آپ اس بارے میں مجھے کیا

ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تو نماز کو اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا۔ پھر اگر ان کو یعنی اپنے امیروں کو نماز پڑھتے پائے تو ان کے ساتھ بھی مل کر نماز پڑھ لینا۔ یہ تیرے واسطے زیادتی (نفل) بن جائے گی۔

نتیجہ

اس حدیث سے ہم پاکستانی مسلمانوں کے واسطے یہ نتیجہ نکالنے میں انشاء اللہ اہل علم کے نزدیک حق بجانب سمجھے جائیں گے کہ اگر وہ فریضہ جہاد کو عین اس وقت پر جبکہ اس کے بجا لانے کی اشد ضرورت ہو ضرور اپنے طور پر بجا لاویں اور پاکستان کے اراکین دولت کا ہرگز انتظار نہ کریں کہ وہ اپنا حصہ کب ادا کرتے ہیں۔ ہم مسلم آبادی کے ہر فرد کو اس حدیث کے رو سے مجاز اور مختار پاتے ہیں کہ اراکین دولت کا ہرگز انتظار نہ کرے۔ بلکہ انفرادی طور پر رضاکارانہ اپنے حصہ کا فریضہ ادا کرے اور جب اراکین دولت جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جاویں تو ان کے ساتھ مل کر بھی فریضہ جہاد ادا کرے۔ واللہ اعلم

پبلک کا فریضہ انفرادی و اجتماعی

مذکورہ بالا فرامین بارگاہ الٰہی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ خدانخواستہ اگر حکومت پاکستان کسی وجہ سے ہندوستان کے اندر مسلم آبادی کی اور کشمیر اور حیدرآباد کے مسلمانوں کی غم شریکی کا فریضہ ادا نہیں کر سکتی تو یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ پاکستان کے مسلمان حکومت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور خیر خواہی کا جو فریضہ ان میں سے ہر ایک پر عائد ہوتا ہے اس کے ادا کرنے سے حیلے بہانے بناتے رہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایسا کریں گے تو آسمانی عدالت ہمیں ناقابل عفو مجرم ٹھہرائے گی۔

الانفال اور التوبہ میں اس بات کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں جن کو ہم نے پچھلے صفحوں میں مکرر سہ کرر یکجا کر دیا ہے۔ پاکستان حکومت اب ہمارے لیے کوئی اجنبی حکومت نہیں رہی ہے کہ خواہ مخواہ اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کریں۔ ہم ایسے لوگوں کو جنہیں نہ مقامی سیاسیات پر چنداں عبور ہے اور نہ ہی بین الاقوامی پیچ در پیچ الجھنوں پر، پس ہمیں ہرگز زیبا نہیں کہ حکومت کی اندرونی اور بیرونی مشکلات کا اندازہ کئے بغیر ایسے مہیب دشمن کے سامنے اسے ننگا ہونے پر مکلف کریں۔ بلکہ ہم اگر اپنی پاکستان دولت کے خیر خواہ اور دلی دوست ہیں اور اس کی بقاء کو اپنی بقاء اور اس کے نقصان کو اپنا انفرادی اور اجتماعی نقصان سمجھتے ہیں تو اس کے عذر کو تسلیم کرنا چاہیے اور اس کے حال پر پردہ ڈالنا چاہیے۔ اور موجودہ حوادث کی کثرت کی بنا پر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ کم از کم اس وقت تک جب کہ ہمارے ملک کو بیرونی خطروں سے خاطر خواہ نجات حاصل ہو اور اس کی موجودہ خاموشی کو اس کی اجازت پر محمول کر کے اپنا انفرادی وظیفہ ادا کرنا چاہیے۔ ہم پاکستان کے مسلمانوں کی بصیرت افروزی اور خاطر جمعی کی خاطر دو تاریخی واقعات بیان کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

مثال امام ابن تیمیہ

امام ابن تیمیہ عالم اسلام کے اندر اپنے وقت میں تمام محدثین اور فقہاء کے امام مانے گئے ہیں۔ جب اسلامی حکومتیں تاتاریوں کے فتنہ کے انسداد میں ناکام رہ گئیں تو امام موصوف غازیوں کا ایک لشکر تیار کر کے دشمن کے مقابلہ میں آئے اور نہ صرف اس کی پیش رفت کو روک دیا بلکہ اسے ایسی شکست دی کہ تمام عالم اسلام ان کی اس کوشش کا مشکور ہوا۔

مثال حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید

سلطان ٹیپو علیہ رحمتہ کی شہادت کے بعد ایک طرف سے انگریزوں نے اور دوسری طرف سے سکھوں نے اسلامی ممالک کو روندنا شروع کر دیا۔ مسلمان ہر جگہ کفار اور مشرکین کے جور و ظلم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ سلطنت مغلیہ پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو ان ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑاتی مگر وہ اس وقت اس قدر ضعیف ہو چکی تھی کہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور شاہ اسمعیل صاحب اٹھے، جہاد کی تبلیغ کی۔ اپنی حکومت سے انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ اس کی بے بسی پر خون جگر پیتے تھے۔ حکومت کو انہوں نے اپنے حال پر چھوڑا مسلم پبلک کو اپنا فریضہ ادا کرنے پر آمادہ کیا اور راہ کی صدہا مصیبتوں کو طے کرتے ہوئے برابر سات برس درندہ سیرت سکھ حکومت کے ساتھ اپنے پرلے درجہ کی بے سروسامانی کی موجودگی میں لڑتے رہے اور لڑتے لڑتے اپنی قیمتی جانیں اس مقدس فریضہ کی بجا آوری میں قربان کردیں۔ اور اس فریضہ کی تکمیل کا کام اپنے مریدوں کے حوالے کر گئے جسے ہم اور ہمارے اسلاف ان کے پیچھے ۱۸۳۱ء سے لے کر اب تک بجا لا رہے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک موجودہ جہاد کشمیر بھی آپ ہی کے مریدوں نے شروع کیا ہے۔

ان دونوں حضرات (امام ابن تیمیہ اور حضرت سید احمد) کے متعلق بلند ترین روحانی اور مذہبی پیشواؤں میں سے اکثر کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا تو یہ حضرات انبیاء بنی اسرائیل کی طرح اپنے اپنے وقت کے نبی ہوتے۔ مگر یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی کو اپنے وقت کا

نبی یا مثل نبی مانے تو وہ اپنے وقت کے دجال اور ان کے متبعین دجال کی امت ہیں نہ کہ ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی۔

استدعا از علمائے کرام و مشائخ عظام

پاکستان کے علمائے کرام اور صوفیائے عظام سے استدعا ہے کہ وہ مذکورہ بالا ان دونوں مذہبی اور روحانی پیشواؤں کی مثال سے عبرت پذیر ہو کر اپنی پاکستان حکومت کو جسے وجود میں آئے ایک سال بھی نہیں ہوا اپنے حال پر چھوڑ دیں اور اس سے کچھ تعرض نہ کریں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تبلیغ کے سوا وہ دوسرے سب مشاغل سے صرف نظر کریں اور اپنے شاگردوں اور مریدوں کو ہمراہ لے کر دیوانہ وار کشمیر اور پونچھ کے محاذ جنگ پر پہنچیں اور اسے ہر قیمت پر کامیاب بنا دیں۔ کیوں کہ ہندوستان کے اندر بسنے والے چار کروڑ مسلمانوں کی اور حیدر آباد دکن کی، پاکستان کی، افغانستان کی بلکہ تمام عالم اسلام کی سلامتی کی فقط یہی ایک راہ ان کے ہاتھ میں باقی رہ گئی ہے۔ اگر کشمیر ان کے ہاتھ سے گیا تو عالم اسلام کا کوئی ملک ہندو ازم کے خطرے سے محفوظ نہیں رہے گا۔ امریکہ کی سرمایہ داری اور مشرکین ہند کا بنیا ازم دونوں کا عالم اسلام کے برخلاف انگریزوں کی سرپرستی میں اتحاد ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اشتراکیت کا قیامت نما خطرہ بھی ان ہی کو چیلنج کر رہا ہے۔ یہ دونوں خطرات یعنی اشتراکیت اور سرمایہ داری اپنی اپنی جگہ عالم اسلام کے حق میں داعی اجل بن کر جنگ کشمیر کے نتائج پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ اگر کشمیر کی جنگ ہم جیت گئے تو یہ خطرے نہ صرف ہم سے دور ہو جائیں گے بلکہ جس طرح آج وہ ہمیں پیغام مرگ دینے کے لیے ایک دوسرے پر مسابقت کر رہے ہیں اس سے زیادہ وہ ہمیں پیغام حیات پہنچانے پر باہم

مسارعت کرتے ہوئے دیکھے جائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک ہمارے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ جس کے ساتھ پاکستان کی ہمدردی ہو گی وہی دنیا میں زندہ رہنے کے لائق اپنے تئیں سمجھے گا۔ یہی انگریزی حکومت جس نے اپنے ایجنٹ لارڈ مونٹ بیٹن اور ریڈ کلف کے ہاتھ سے مسلم اکثریت کے اضلاع مشرقی اور مغربی پاکستان سے کاٹ کر ہندو بنیا کو دلائے ہیں وہی کل پر زور سفارشیں کرے گی کہ نئے سرے سے حد بندی ہونی چاہیے۔ ہندو بنیا کو اس وقت تک نہ چھوڑے گی جب تک کوڑی کوڑی کا حساب کر کے تمام اصل مع سود در سود کے نہ دلائے گی۔ پس ہمیں ساری قوتیں اس وقت کشمیر کی جنگ جیتنے پر وقف کر دینی چاہییں اور اس بارے میں کسی کی نہ سننا چاہیے۔ خواہ وہ مجتہد وقت اور امام الزمان ہی کیوں نہ مانا جاتا ہو۔ ایسے مانعین جہاد اماموں اور مدعیوں کی تصویر چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کی مندرجہ ذیل پیش گوئی کے آئینہ میں دیکھی جائے۔

پہلی پیشگوئی

فیقال ان فی بنی فلان رجلا امینا ویقال للرجال ما اعقله و ما اظرفه و ما اجلده و ما فی قلبه مثقال حبة من خردل من الایمان (روا البخاری و مسلم عن حذیفه کذا فی المشکوة کتاب الفتن)

ترجمہ: پس مشہور ہو گا کہ فلاں قوم کے اندر ایک شخص بڑا ہی امین پیدا ہوا ہے اور اس آدمی کی نسبت یوں چرچا ہو گا کہ وہ کیا ہی عجیب عقلمند ہے اور وہ کیا ہی عجیب خوش بیان ہے اور وہ کیا عجیب ہر بات کی تہ کو پہنچنے والا اور بال کی کھال

نکالنے والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رتی برابر ایمان کا جوہر نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانہ خیر کے بعد جس میں خیر اور شر ملی ہو گی اس زمانہ کی خبر دی ہے جس میں جابجا مدعی پیدا ہوں گے اور اپنی اپنی طرف عوام کو بلائیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ ہمارے ہی خون سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان سے بولیں گے مگر جو کوئی ان کی بات سنے گا اسے وہ جہنم میں گرا دیں گے۔ آپ کے الفاظ بقرار ذیل ہیں:

دوسری پیشگوئی

دعاة علی ابواب جهنم من اجابهم الیها قذفوه فیها قلت یا رسول الله صفهم لنا قال هم من جلدتنا و یتکلمون بالسنتنا (روا البخاری و مسلم عن حذیفته کذافی المشکوة کتاب الفتن)

ان دونوں حدیثوں کے آئینہ میں تصویر دیکھنی چاہیئے ان علمائے وقت کی جنہوں نے نہایت مصیبت کے ایام میں امت مسلمہ کی دستگیری اور غم شریکی کی بجائے کفار اور مشرکین کی متحدہ طاقتوں کا ساتھ دیا۔ جب امت مسلمہ انگریزی حکومت اور ہندو قوم کے متحدہ محاذ کے سامنے مقابلہ پر کھڑی تھی تو ان کی طرف سے ان کی پشت پر تیر و سنان کی بوچھاڑ تھی۔ اگر ان حضرات کو قرآن مجید کی روشنی سے کچھ بھی بہرمندی ہوتی تو ان تمام مواقع پر سیدنا موسےٰ علیہ السلام کے عملیات سے عبرت پکڑتے اور بجائے اپنی نہایت مظلوم قوم کی عیب جوئی کے انگریز اور ہندو قوم سے نپٹتے، جنہوں نے مل کر مسلم قوم کو باشرف زندگی کے تمام ذرائع سے محروم کر کے اسے دنیا کی مفلس ترین اور جاہل قوم بنا دیا تھا۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کے ہر فرد پر خود غرضی غالب آگئی (الا

ماشاء اللّٰہ و قلیل ماھم) قوم کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئی ہر گروہ اپنے دائرہ اقتدار کو وسیع کرنے کے لیے دوسرے گروہوں کا جانی دشمن بن گیا اور اس پر انفرادی استقلال کا چسکا ایسا غالب آ گیا کہ اسے قوم کے اجتماعی مفاد سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ رہی۔ عیاں راچہ بیاں؟ پچھلے دنوں جب مسلم قوم کو غیر مسلم طاقتوں سے اپنی ملی ہستی کے استقلال منوانے کا موقعہ پیش ہوا تو اس نازک موقع پر مسلمانان ہند کی مختلف پارٹیاں اپنے قومی مرکز کے ساتھ محض اس لیے وابستہ نہ ہو سکیں کہ انہیں اپنی اپنی پارٹی کے انفرادی استقلال کے محو ہو جانے کا اندیشہ دامن گیر ضمیر ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے تو غیر جانبدار رہ کر دشمنان اسلام کے مقاصد کی حمائت کا حق ادا کیا اور بعض نے دشمن کے ساتھ مل کر اپنے قومی مفاد کو وہ نقصان پہنچایا جس کی توقع ملت مرحومہ کو اپنے قدیم دشمنوں سے بھی نہ ہو سکتی تھی۔ الیکشن اور ریفرنڈم کی مہموں کے اندر قومی مرکز سے علیحدگی اور دشمنان اسلام سے وابستگی کے جو مظاہرات دیکھنے میں آئے وہ سب اسی خود غرضی کا ثمرہ تھے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے تئیں حق بجانب سمجھتا رہا حالانکہ وہ اس وقت اپنی پرلے درجے کی جہالت اور سیرت نبوی ﷺ سے بے خبری کا ثبوت بہم پہنچا رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے تو اپنی امت کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ یعنی اس کے افراد اپنی تمام غیر مسلم طاقتوں کے مقابلہ میں بمنزلہ ایک ہاتھ کے ہوتے ہیں (و ھم ید علے من سواھم) مرکزی و صوبائی انتخابات اور ریفرنڈم کی مہمیں قدرت کی طرف سے وہ امتحانات تھے جو مسلمانان ہند پر ۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک کے بعد شاید پہلی مرتبہ ہمہ گیر شان کے ساتھ پیش ہوئے۔ ان امتحانوں میں اگر مسلمانوں کی نمائندہ جماعت فیل ہو جاتی تو یہ ہمیشہ کے لیے مٹ جاتی۔ آج ان ہی پارٹیوں کو دیکھا جا رہا ہے کہ جہاد کشمیر کے اندر

شامل ہونے سے وہ کنی کترا رہی ہیں۔ کچھ تو سیاسی عقائد کے اختلاف کی بنا پر اور کچھ آیات بینات کی خود ساختہ تاویلات کی آڑ لے کر۔ ان کا حال اور قال شہادت دے رہا ہے کہ شاید وہ اس زمانے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کی زندہ تفسیر ہیں۔

فقل لن تخرجوا معی ابدا و لن تقاتلوا معی عدوا انکم رضیتم بالقعود اول مرة فاقعدوا مع القعدین (سورة التوبه پ ۱۰ ع ۱۲/۱۷)

ترجمہ: تو تُو ان سے کہہ دے کہ تم لوگ میرے ساتھ جہاد کے لیے کبھی نکلو گے اور نہ ہی تم میرے ساتھ مل کر دشمنان اسلام کے ساتھ کبھی لڑو گے۔ چونکہ تم پہلی مرتبہ (ضرورت کے وقت جہاد سے الگ تھلگ رہ کر) گھروں میں بیٹھ رہنے پر رضامند ہو گئے تھے سو اب بھی جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی سزا کا ذکر اس سے متصل اگلی آیتوں میں آیا ہے۔ جس کا ماحاصل یہ ہے کہ جب کوئی ان میں سے مرے گا تو اسلام کی موت اسے نصیب نہ ہو گی اور نہ ہی پیغمبر کی سفارش اس کے حق میں قبول ہو گی۔ ملاحظہ ہو سورہ التوبہ پارہ دسواں رکوع ۱۱/۱۷۔

جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کا یہ انجام ہے تو ان لوگوں کا پھر کیا حال ہو گا جو اپنے ملی مرکز سے کٹ کر مجاہدین اسلام کے مقابلہ میں دشمن کی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

کشمیر بذات خود ایک مستقل مسئلہ ہے۔

کشمیر کا مسئلہ بذات خود ایک مستقل نوعیت رکھتا ہے جسے معاہدہ

دولتین سے کوئی تعلق نہیں۔ چودھویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک قریباً پانچ سو سال یہ ملک بمع اپنی ملحق ریاستوں کے دارالسلام کی شان سے مشرف رہا۔ اس کے بعد ۱۸۱۹ء میں اول سکھ پھر ۱۸۴۶ء میں ڈوگرہ راج کی وجہ سے وہ دارالحرب بن گیا جس کو ازسرنو دارالسلام بنانا اس وقت سے لے کر اب تک جیسے مقامی مسلمانوں پر وقت کا سب سے بڑا اہم فریضہ رہا اور ہے ویسا ہی قرب جوار کے مسلمانوں پر ہے۔ خصوصاً جبکہ مقامی لوگ اس فریضہ کو تنہا اپنی قوت سے انجام نہ دے سکتے ہوں۔ اس لحاظ سے جس طرح قبائل آزاد اور افغانستان پر اپنے مظلوم بھائیوں کو ڈوگرہ راج سے نجات دلانا وقت کا سب سے بڑا فرض ہے ویسے ہی یہ فرض پاکستان حکومت اور پاکستان کی مسلم آبادی پر عائد ہوتا ہے۔

علاوہ بریں مورخہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کے اعلان کے رو سے جہاں بر عظیم ہند میں برطانوی راج کا خاتمہ ہو گیا وہاں معاہدہ امرتسر ۱۸۴۶ء کی معیاد بھی، جس کی رو سے کشمیر اور اس کے ملحقات پر ڈوگرہ راج قائم تھا ختم ہو گئی اور ملک بالکل آزاد ہو گیا۔ اس کے بعد عرفاً اہل ملک اس بات پر بالکل مجاز ہو گئے کہ اپنے لیے جس قسم کی حکومت چاہیں اس کی تشکیل کریں۔ ایسے حالات میں راجہ ہری سنگھ کا کوئی اختیار نہیں رہتا کہ اس مسلم ملک کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرے اور اگر اس کے اس قسم کے فعل کے لیے خواہ مخواہ کوئی وجہ جواز پیدا کر بھی لی جائے جب بھی اس کا کوئی حق نہیں کہ ملک کی رائے عامہ کے استصواب کے بغیر اس قسم کا کوئی فیصلہ اپنی خودرائی سے کر لے۔ بہر حال اگر انڈین یونین تنہا راجہ اور اس کی ڈوگرہ قوم کی جو ملک کے اندر آٹے میں نمک کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، کی فریاد رسی اور امداد کو اپنا فرض سمجھتی ہے تو پاکستانی حکومت اور پاکستانی پبلک اپنے مظلوم مسلم بھائیوں کی جو کہ ملک کی ۸۵ فیصدی آبادی ہے کی فریاد سننے اور

ان کی غم شریکی کا شرعی حق ادا کرنے میں کیسے حق بجانب نہ سمجھی جائے گی؟ اور اگر پاکستانی حکومت کسی بین الاقوامی الجھن کی وجہ سے اپنا حق ادا کرنے سے قاصر رہے تو پاکستان کی مسلم آبادی کے لیے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ اپنی غم شریکی اور ہمدردی کا حق ادا نہ کرے؟ ایسے مواقع پر: (علیه ما حمل و علیکم ما حملتم) کے اصول کی پابندی کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہو سکتا۔

فرض کرو کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان باہم جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بحال خود برقرار ہو۔ انڈین یونین نے نہ اسے توڑا ہو اور نہ ہی اس کی طرف سے کسی بدعہدی اور خیانت کے آثار نمایاں ہوں اور وہ پوری صداقت اور دیانتداری سے اپنے معاہدہ کو نباہ رہی ہو تو اس صورت میں پاکستان حکومت اور پاکستان کی مسلم آبادی اس معاہدہ کی عمومیت سے کشمیر کے مسئلہ کو مستثنےٰ رکھنے میں اسی طرح حق بجانب قرار دی جا سکتی ہے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے اندر مسلم عورتوں کی واپسی کے مسئلہ کو مستثنےٰ قرار دے لیا گیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے شروط پیچھے لکھے جا چکے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک شرط یہ تھی کہ قریش مکہ کا کوئی آدمی اگرچہ وہ اسلام قبول کر چکا ہو، مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا جاوے تو اسے واپس کرنا ہوگا:

عن عروة بن الزبير عن اصحاب النبي صلے الله عليه و سلم قال لما كتب سهيل بن عمرو يومئذ كان فيما اشترط سهيل بن عمرو علے النبي صلے الله عليه و سلم ان لا ياتيک منا احد و ان كان علے دينک الا رددته الينا و خليت بيننا و بينه وكر المؤمنون ذلک فكاتبه النبي صلى الله عليه و سلم على ذلک (الخازن الجزء السابع ص ۶۳

ترجمہ: مذکورہ بالا شرط کے تحت جو کوئی مسلمان مرد مکہ سے مدینہ پہنچا اُسے آپ ﷺ نے مکہ کو لوٹا دیا۔ ابوجندلؓ اور ابوبصیرؓ انہیں لوگوں میں سے ہیں جنہیں ازروئے معاہدہ مشرکین مکہ کی طرف لوٹا دیا گیا۔ مگر مسلمان عورتیں جو اس معاہدہ کے بعد قریش مکہ سے مدینہ پہنچیں ان کو آپ ﷺ نے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ مشرکین مکہ میں سے جو لوگ ان عورتوں کے وارث تھے وہ ان کو لینے کے لیے مدینہ پہنچے اور آپ ﷺ کو مذکورہ بالا معاہدہ بھی یاد دلایا۔ مگر آپ ﷺ نے پھر بھی انکار کر دیا۔ مفسرین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ معاہدہ کے شروط کے اندر عورتوں کے متعلق واضح الفاظ میں کوئی شرط نہ تھی۔

عقبہ بن ابی محیط کی لڑکی ام کلثومؓ نامی ان عورتوں میں سے پہلی عورت ہیں جو مکہ سے آپ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچیں۔ اس کے وارث بقرار معاہدہ کے اس کے لینے کو مدینہ پہنچے مگر آپ ﷺ نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ ہاں اس کا مہر دلایا اس کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت بھی نازل ہوئی:۔

یایها الذین امنوا اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات فامتحنو هن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الی الکفار (الممتحنه پ ۲۸ ع ۲/۸)

ترجمہ: مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے پہنچیں تو ان کے ایمان کی جانچ پڑتال کر لیا کرو۔ ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے (تاہم جانچ لینا ضروری ہے) پھر اگر (جانچنے سے) انہیں تم سمجھو کہ وہ مسلمان ہیں تو تم انہیں کافروں کی طرف واپس مت کرو۔

اس کے بعد حرث کی بیٹی سبیعہؓ آنحضرت محمد ﷺ کے پاس مکہ سے پہنچیں۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا کافر خاوند مسافر نامی جو بنی مخزوم قبیلہ سے تھا

پہنچا۔ اس نے اسی معاہدہ کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ ﷺ نے اسے واپس نہ لوٹایا۔ اس کے اپنے الفاظ میں جو اس موقع پر اس نے استعمال کئے یہ ہیں۔

یا محمد اردد علے امراتی فانک قد شرطت ان تردد علینا من اتاک منا و ھذہ طیبة الکتاب لم تجف (الخازن جلد ھفتم ص ٦٦)

ترجمہ: اے محمد ﷺ! میری عورت کو مجھے لوٹا دو کیونکہ آپ نے ہمارے ساتھ یہ شرط کی ہے کہ جو کوئی ہم میں سے تیرے پاس آئے گا تو اسے واپس لوٹا دے گا اور عہد نامہ کی یہ سیاہی ہے جو ابھی تک خشک بھی ہونے نہیں پائی۔

چونکہ اس معاہدہ صلح کے اندر جو پاکستان اور انڈین یونین کے درمیان قرار پایا ہے کوئی شرط کشمیر کے متعلق صریح الفاظ میں مطلق نہیں پائی جاتی۔ اس لیے اسے مذکورہ بالا اصول کے ماتحت اس معاہدہ سے بالکل مستثنے ٹھہرا لیا جاوے تو اس میں کون چیز مانع ہے؟ واللہ اعلم۔

انڈین یونین کی مثال کی روشنی میں کشمیر کا مسئلہ

انڈین یونین نے جونا گڑھ اور اس کی ملحق ریاستوں میں اپنے عمل سے پاکستان کے ملیے خود ایک مثال قائم کر دی ہے۔ وہاں کا نواب اور مسلم قوم جو اقلیت میں تھی نے اپنی ریاست کو پاکستان کے ساتھ ملحق کیا۔ مگر انڈین یونین نے وہاں کی غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنا پر نواب صاحب کے فیصلہ الحاق کو تسلیم نہ کرتے ہوئے زبردستی اس پر قبضہ کرنا اپنا حق سمجھا۔ اسی طرح اگر پاکستان کشمیر اور اس کی ملحقہ ریاستوں کے مسئلہ میں ڈوگرہ راجہ اور اس کی ڈوگرہ قوم جو نہایت اقلیت میں ہے کے ہندوستان سے ملنے کے فیصلہ کو رد کر دے اور

وہاں کی مسلم آبادی کو جو غیر معمولی اکثریت رکھتی ہے کی حمایت کرتے ہوئے کشمیر پر زبردستی قبضہ کر لے تو خود انڈین یونین کے اصول کے مطابق پاکستان کا یہ فعل سو فیصدی حق بجانب قرار دیا جائے گا۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

بعض علمائے کرام کو یہ کہتے سنا گیا کہ ابوسفیان کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہونا اور معاہدہ کی تجدید اور امتداد مدت کے واسطے کوشش کرنا اور اس کا ناکام ہو کر واپس لوٹنا بھی نبذ عہد کے اعلان کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ سو ان کی یہ باتیں تشبث بالحشیش ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سے زیادہ قیمت نہیں رکھتیں۔ ابوسفیان اس زمانہ کا عرب کے اندر بہترین سیاسی مدبر اور ملٹری جرنیل مانا جاتا تھا۔ اگر وہ بنی خزاعہ کے مقابلے میں بنی بکر کی امداد کو نبذ عہد نہ سمجھا ہوتا تو قریش اسے کیوں اپنا نمائندہ بنا کر مدینہ بھیجتے۔ وہ ٹوٹی ہوئی چیز کو پھر جوڑنا چاہتا تھا وہ اپنے فعل ہی کو نبذ عہد کے لیے کافی سمجھتا تھا۔ چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی چیز نہیں اس لئے وہ دوڑا دوڑا مدینہ پہنچا تاکہ کسی طرح اپنی بدعہدی کے وبال سے اپنی قوم کو بچاوے۔ اتباع سنت کے شائقین مسلک نبوی کی مماثلت اور موافقت پر فکر کرتے وقت یہ سوچنا بھول گئے کہ جس مماثلت اور موافقت کے وہ متلاشی ہیں وہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک نہرو یا پٹیل میں سے کوئی شخص جناح کے پاس کراچی نہ پہنچتا اور اپنی بدعہدی اور غلطی کا اعتراف نہ کرتا۔ اگر جناح سکوت اختیار کرتا تو پھر لیاقت علی کے پاس پہنچتا۔ وہاں سے ناکام ہوتا تو خواجہ شہاب الدین کے پاس وہاں سے محمد علی جنرل سکیرٹری کے پاس پھر فاطمہ جناح کے پاس پھر پاکستان کے عام نمائندوں کے پاس فریاد کرتا۔ یہاں تو صورت حال بالکل اس کے برعکس ہے۔ انڈین یونین

پاکستان کو پرکاہ کے برابر وزن نہیں دیتی۔ خاص کر جب سے اسے انگریز کے علاوہ امریکہ کی ہمدردی کا بھی یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں طاقتیں تہ دل سے اس کی دوست اور پاکستان کی دشمن ہیں اور اسے ہر صورت میں کشمیر کے مسئلہ میں بھی اسی طرح شکست دلوانا چاہتی ہیں جس طرح حد بندی کے موقع پر۔

ابوسفیان کے ہر فعل اور حرکت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ اس نے اپنی اور اپنی قوم کی بد عملی ہی کو نبذ عہد کے لیے کافی سمجھا تھا اور مدینہ کی جانب سے نبذ عہد کے اعلان کی قطعاً ضرورت محسوس کئے بغیر اصلاح حال کے لیے اس نے مدینہ کے گھر گھر کی خاک چھانی۔ کاش! ہر بات میں اتباع سنت کی جھلک دیکھنے کے متمنی حضرات اس بات پر ذہنی اور دماغی قابلیتوں کو وقف کرتے کہ پاکستان کی نوزائیدہ مسلم حکومت کا سیاسی اقتدار اس ایک سال کے قلیل عرصہ میں اس قدر ٹھوس اور مضبوط ہو جاتا کہ گوپال اچاریہ یا نہرو اس سے لرزنے لگ جاتے اور اپنی بد عہدی اور خیانت پر اظہار ندامت اور تجدید عہد کے لیے کراچی پہنچتے۔ افسوس ان علمائے کرام کے حال پر کہ جہاد فی سبیل اللہ کی مشقت اور محنت سے بچنے کے لیے انہیں کیسی کیسی باریک باتیں سوجھتی ہیں۔ حالانکہ وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودی اور ان کے مبلغ علم پر کفار و مشرکین کو بے باکانہ ہنسنے کا موقع بہم پہنچاتی ہیں۔

خاتمہ

ہم جہاد کشمیر کے مسئلہ کو یہاں ختم کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا باریک سے باریک پہلو کتاب و سنت کی روشنی میں اس قدر نمایاں کیا جا چکا ہے کہ وہ اس کے بعد کسی مزید بحث و نظر کا محتاج نہ رہے گا۔

باب ششم

استفتائے چہارم

کیا ایسے مدعیان اسلام جو کسی کمزور غیر مسلم ریاست کے اندر آباد ہوں اور بجائے کسی ہمسایہ طاقتور مسلم قوم یا حکومت کے کسی غیر مسلم قوم یا حکومت کی سرپرستی قبول کریں جس کے ساتھ ہمارے معاہدانہ روابط ہوں تو ان کے برخلاف جنگی کاروائی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسا کرنا فرمان خداوندی (الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینہم میثاق) کی زد میں آتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے مدعیان اسلام جو مسلم کی بجائے غیر مسلم قوم یا حکومت کی سرپرستی قبول کریں ان کو اللہ تعالے نے پکا منافق بلکہ انہیں اسی غیر مسلم قوم کا جزو قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے:

و من یتولهم فانه منهم (المائده پ ٦ ع ١١/ ٤)

ترجمہ: اور جو شخص (مدعی اسلام ہو کر) ان کی (یعنی غیر مسلموں کی) تولیت (یعنی سرپرستی اور دوستی) کو قبول کرے گا تو وہ اسی غیر مسلم قوم کا ایک جزو ہے۔

دوسری جگہ ایسے مدعیان اسلام کو زیر دفعہ (واللہ ازکسهم بما کسبوا (النساء پ ٥ ع ١٢/٩)

ان کی اس غلط روی کی بنا پر اوندھی عقل والا کہا ہے۔ ایسے منافقین کے متعلق اللہ تعالے نے اپنی مسلم قوم اور ان کی حکومت کو مندرجہ ذیل پانچ احکام دئیے ہیں۔

ایسے مدعیان اسلام جنہوں نے ایسی غیر مسلم قوم کی سرپرستی قبول کی ہو جس کے ساتھ تمہارے معاہدانہ روابط نہیں ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو جہاں کہیں پاؤ پکڑو اور جان سے مارنے میں ہرگز دریغ نہ کرو تا آنکہ وہ غیر مسلم قوم سے کٹ کر اہل اسلام کے ساتھ نہ مل جائیں۔ چنانچہ فرمایا:

فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم (النساء پ ۵ ع ۱۲/۹)

حکم اول: اور اگر وہ (غیر مسلموں سے کٹنے اور اہل اسلام کے ساتھ روابط قائم کرنے سے) رو گردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اور اگر ایسے مدعیان اسلام نے ایسی قوم کی سرپرستی قبول کی ہو جس کے ساتھ تمہارے معاہدانہ تعلقات ہوں تو جب تک وہ غیر مسلم قوم اپنے معاہدے پر قائم ہے تو ان سے کچھ تعرض نہ کرو۔ چنانچہ فرمایا:

الا الذين يصلون الى قوم بينكم و بينهم ميثاق ط (النساء پ ۵ ع ۱۲/۹)

ترجمہ حکم دوئم: ہاں اگر مدعیان اسلام کسی ایسی قوم سے مل جائیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے۔ (تو ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا تادیب اور تعزیر سے مستثنیٰ رکھو)

ایسے مدعیان اسلام جو غیر مسلم قوم کی سرپرستی قبول کرنے کے بعد جس کے ساتھ مسلم قوم یا حکومت کے معاہدانہ تعلقات ہیں، اہل اسلام کے برخلاف شرارت کرنے سے باز نہ آئیں اور پرامن رہ کر زندگی نہ گزاریں۔ بلکہ جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے مسلم حکومت کی تخریب سے دریغ نہ کریں تو ان کی

بد عملیوں کی سزا بھی وہی ہے جو حکم اول کے ضمن میں بیان ہوئی۔ ان کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ جو دفعہ قرآن مجید نے قائم کی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں:

فان لم یعتزلوکم و یلقوا الیکم السلم و یکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولئکم جعلنا لکم علیھم سلطناً مبیناً (النساء پ ۵ ع ۱۳/۹)

ترجمہ حکم سوئم: اور اگر ایسے مدعیان اسلام تمہارے (برخلاف سازشوں سے) کنارہ کش نہ رہیں اور تمہارے پاس پیغام صلح صفائی نہ پہنچائیں اور (شرارتوں سے) اپنا ہاتھ بند نہ کریں تو مسلمانو! ایسے منافقین کو پکڑو اور جہاں کہیں ان کو پاؤ ان کے قتل سے دریغ نہ کرو اور یہی لوگ ہیں جن کی تادیب اور تعزیر کے متعلق ہم نے تمہارے لیے کھلی حجت پیدا کر دی ہے۔

اگر وہ قوم یا حکومت جس کے ساتھ ہمارے معاہدانہ تعلقات ہیں ان مدعیان اسلام کے گروہ کو جس نے اس کی سرپرستی قبول کی ہے ان وسیسہ کاریوں اور سازشوں سے منع نہ کرے جو خفیہ یا علانیہ مسلم قوم یا حکومت کے برخلاف وہ کرتا رہتا ہے بلکہ اس گروہ کو اپنے حال پر آزاد چھوڑے رکھے تو حکومت کا وہ معاہدہ جیسا کہ باب سوئم کے اندر زیر عنوان (امام المسلمین پر عہد کی پابندی کی میعاد) ثابت کیا جا چکا ہے، کالعدم سمجھا جائے گا اور مسلم قوم یا حکومت اس عہد شکن قوم کے برخلاف بغیر اس کو اطلاع دیئے ہر قسم کی تادیبی اور تعزیری کاروائی کرنے کی شرعاً مجاز ہو گی۔ ان تادیبی کاروائیوں کا حال تفصیل کے ساتھ باب سوئم کے اندر زیر عنوان (انڈین یونین کی صحیح پوزیشن قرآن مجید کی روشنی میں) لکھا جا چکا ہے۔ تکرار کی حاجت نہیں اس صورت میں مسلم قوم یا حکومت کو اجازت ہے

کہ وہ عہد شکن اور خائن قوم یا حکومت کے برخلاف اور اس کے حلیف زبردست گروہ کے برخلاف جب چاہے اور جیسے چاہے منتقمانہ کاروائی کر سکتی ہے۔ معاہدہ کی پابندی فقط اسی قوم کے ساتھ ہے اور اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ از خود معاہدہ کو نہ توڑے اور نہ ہی وہ اسلامی حکومت کے برخلاف اس کے کسی دشمن کے ساتھ مل کر کوئی مخاصمانہ کاروائی کرے تو اس کے خلاف کسی مخالفانہ کاروائی کی اجازت نہیں۔ بلکہ اس کے معاہدہ کو ہر صورت میں اس کی میعاد تک نباہنا ہو گا۔

چنانچہ فرمایا:

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصو کم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم. (سورہ التوبہ پ ۱۰ ع ۱/۷)

ترجمہ حکم چہارم: ہاں مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کر رکھا ہے پھر انہوں نے ایفائے عہد میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی۔ اور نہ ہی تمہارے برخلاف تمہارے کسی دشمن کی مدد کی تو ان کے ساتھ جو عہد یہاں ہوا ہے اس میعاد تک جو ان کے ساتھ مقرر ہوئی ہے، پورا کرو۔ اللہ تعالے ان لوگوں کو جو بدعہدی سے بچتے ہیں، دوست رکھتا ہے۔

جب تک فریق ثانی اپنے عہد پر قائم رہے تم بھی عہد کا احترام کرو۔ اور اگر وہ خیانت کرے تو اس عہد کے وجود کو ختم سمجھو چنانچہ فرمایا:

فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم. (التوبہ پ ۱۰ ع ۸/ ۲)

ترجمہ حکم پنجم: جب تک دشمن اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے لیے عہد کی پابندی کرو۔ اس فتوی کی زد میں شیخ عبداللہ اور اس پارٹی آتی ہے۔

تتمہ

دعا

الحمد للہ چاروں فتووں کا جواب آج بروز یک شنبہ بتاریخ پنجم ستمبر ۱۹۴۸ء بمطابق ۳۰ شوال ۱۳۶۷ھ پورے بارہ روز میں ختم ہوا۔ اللہ تعالے اس ناچیز خدمت کو قبول کرے۔

میں اس رسالہ کو حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے نائب شاہ اسماعیل شہید دہلوی کے نام سے منسوب کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالے اسے ان حضرات ملکوتی صفات کی مقدس روایات کے تازہ اور مقبول عام کرنے کا نیز ان لوگوں کی بصیرت افزائی اور طمانیت قلبی کا سبب بنا دے جن کے دلوں میں جہاد کشمیر کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ ہو۔ آمین

استعذار

میں نہ تو فتویٰ نویسی کا ماہر ہوں اور نہ میدان قلم کا شاہسوار۔ فتوے لکھنے کا مجھے اس سے پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا اس لیے اس کے اندر جہاں کہیں قلمی خامیاں آپ حضرات کو نظر آئیں وہ میری علمی فرومایگی پر محمول فرمائیں نیز اس دماغی کوفت پر جو اس مسودہ کے لکھنے کے دوران ملاقاتیوں کی کثرت کی وجہ سے مجھے دن رات درپیش رہتی رہی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل پر مجھے قلم اٹھانے کی جرات محض اس لئے ہوئی کہ تمام دینی مسائل میں سے فقط یہی ایک مسئلہ ہے جو مدۃ العمر میری تمام ذہنی اور دماغی افکار کا مرکز بنا رہا۔ تعلیم و تدریس کا مجھے اتنا موقع نہ ملا جتنا کہ جنگ و جدال کا۔ زندگی کے پورے پچاس سال کفار کے ساتھ لڑنے بھڑنے میں گزر گئے۔ الحمد اللہ علی ذلک

ماخذ:

میں نے اس مضمون کے تیار کرنے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ جن کا بہم پہنچانا میرے لیے اس غریب الوطنی اور ناشناسی کے عالم میں کوہ کندن و جوئے شیر بر آوردن سے کم محنت طلب نہ تھا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر
۲۔ تفسیر خازن
۳۔ صحاح ستہ
۴۔ تاریخ طبری و تاریخ البدایہ النہایہ
۵۔ احسن السیر
۶۔ حجۃ اللہ البالغہ از حضرت شاہ ولی اللہ
۷۔ احکام القرآن از علامہ خصاص
۸۔ سراج التواریخ مطبوعہ کابل
۹۔ سوانح احمدی از مولوی محمد جعفر تھانیسری اسیر کالا پانی
۱۰۔ تاریخ شمال مشرقی صوبہ سرحد از قاضی میر احمد خان
۱۱۔ تاریخ کشمیر از محمد الدین فوق لاہوری
۱۲۔ ہسٹری آف سکھس از کیپٹن لینگھم
۱۳۔ گیزیٹیر آف ہزارہ ڈسٹرکٹ از ویسٹن
۱۴۔ انڈین مسلمانس از ولیم ہنٹر
۱۵۔ رولٹ کمیٹی رپورٹ ۱۹۱۸ء

ابو سلیمان فضل الٰہی عفی عنہ

خادم جمعیت عالیہ ہندیہ مجاہدین
سرحد آزاد (یاغستان) چمرقند
۳۰ شوال ۱۳۶۷ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۴۸ء